اردو کے شاعر اور ادیب

حیدر قریشی کا تعارف

ترتیب اور پیشکش

نجیدہ نظر بائیوا

حیدر قریشی کے والد بزرگوار
قریشی غلام سرور صاحب کے دو خواب

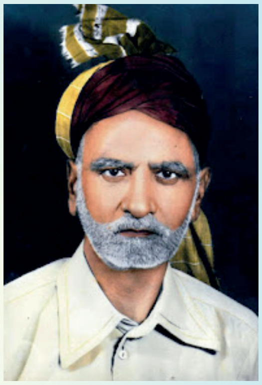

میری پیدائش سے چند ماہ پہلے ابا جی نے یکے بعد دیگر دوخواب دیکھے تھے۔ پہلا خواب یہ تھا کہ ایک بڑا اور گھنا درخت ہے جس کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔۔ابا جی اس درخت کے اوپر عین درمیان میں کھڑے ہوئے ہیں۔ یہ خواب سن کر ابا جی کے ایک دوست روشن دین صاحب نے کہا کہ آپ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا جو۔۔۔۔۔

دوسرا خواب یہ تھا کہ لمبے لمبے قد والے بہت سارے لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ بلند کر کے ''حیدر۔حیدر'' کے نعرے لگا رہے ہیں۔ان دونوں خوابوں کے چند ماہ بعد میری پیدائش ہوئی۔ابا جی نے اپنے مرشد کو خط لکھا کہ بیٹے کا نام تجویز فرما دیں۔ مرشد کو ابا جی کے خواب کا علم نہیں تھا۔انہوں نے مجھے حیدر بنا دیا۔

(خاکہ ''برگد کا پیڑ'' سے اقتباس)

حیدر قریشی اپنے والد کے ساتھ

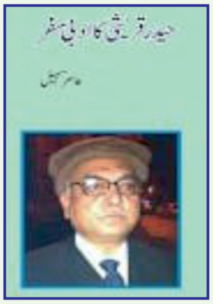

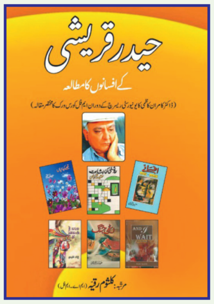

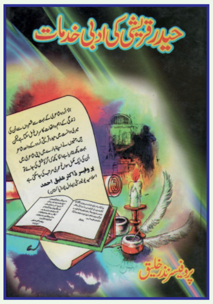

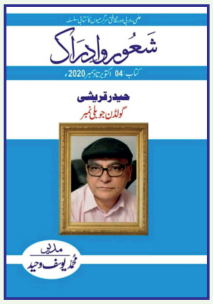

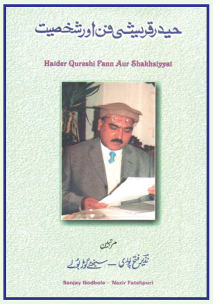

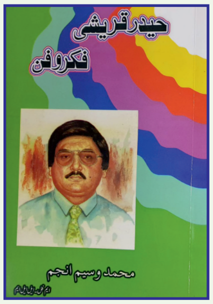

ادا ریہ

چند سال پہلے مجھے اردو کے ادیب و شاعر جناب حیدر قریشی سے ملاقات نصیب ہوئی۔رفتہ رفتہ ان کے ادبی کاموں سے آشنا ہونے لگی۔شاعر،افسانہ نگار،خاکہ نگار،نقاد،محقق،انشائیہ نگار،سفرنامہ نگار،یاد نگار، گویا ان کا سارا کام ایک ادبی نگار خانہ تھا۔اتنے سارے کام کے ساتھ جناب حیدر قریشی ایک ادبی رسالے''جدید ادب'' کے ایڈیٹر بھی رہے۔پہلے یہ رسالہ خان پور، پاکستان سے نکالتے رہے۔جب جرمنی میں آگئے تو یہاں سے بھی''جدید ادب'' جاری کیا۔جب رسالہ بند کیا تو روزنامہ''عکاس''کولکتہ کا ادبی ایڈیشن ترتیب دینا شروع کیا۔چار برس سے یہ ادبی ایڈیشن ہر اتوار کو اہتمام سے شائع ہو رہا ہے۔

اردو ماہیے کو رائج کرنے کے سلسلے میں ان کے تخلیقی،تنقیدی اور تحقیقی کام کو بہت خاص اہمیت حاصل ہے۔جناب حیدر قریشی کی غزلیں،نظمیں، ماہیے،افسانے،خاکے،یادیں،سفرنامے،انشائیے،تنقید،تحقیق کسی بھی تحریر کو اٹھا کر دیکھ لیں،یہ سب حقیقی زندگی سے متعلق ہیں۔ان کی ہر تحریر کو پڑھنے میں آسانی ہے۔پاکستان سے جرمنی تک کے مناظر ذہن میں اُبھرتے ہیں۔اسی لیے میں نے سوچا کہ ازبکستان میں اردو زبان کے اسکالرز اور طلباء کے لیے حیدر قریشی کے ادبی کام اور اس کے تناظر سے واقفیت مفید رہے گی۔حیدر قریشی کے ادبی کام کا جو دنیا بھر میں اعتراف کیا گیا ہے اس کا ایک محدود انتخاب یہاں پیش کیا جاتا ہے اور آخر میں حیدر قریشی کی تحریروں کے چند اقتباسات بھی شامل ہیں۔

نجیدہ نظر بائیوا

(تاشقند۔ازبکستان)

جملہ حقوق بحق نجیدہ نظر بائیوا

HAIDER QURESHI KA TAARUF

Compiled & Presented By

NAJIDA NAZARBAYEVA

Year of 1st Edition 2026
ISBN 978-93-6062-788-1
Price:50 INR = 6400 UZS

نام بروشر : حیدر قریشی کا تعارف

ترتیب اور پیشکش : نجیدہ نظر بائیوا

مرتب کا پتہ :

NAJIDA NAZARBAYEVA
Flat 59, House 2, CHILANZAR-5.
Post office 100 096, TASHKENT,
UZBEKISTAN

سرورق : مصطفیٰ کمال پاشا

اشاعت اول : مئی 2026ء

قیمت : انڈین 50روپے/ازبک 6400 UZS

مطبع : روشان پرنٹرس، دہلی۔6

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

H.o. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj,
New Delhi-110002 (INDIA)

B.o. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit,
Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)

Phone : 45678203, 45678286,
41418204, 23216162

E-mail
info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

عنبر شمیم (کولکتہ)

کوائف حیدر قریشی

پورا نام : قریشی غلام حیدر ارشد،

ادبی دنیا میں حیدر قریشی نام اختیار کیا۔

پیدائش : سرکاری کاغذات میں یکم ستمبر ۱۹۵۳ء '

(درست خاندانی روایت:۱۳؍جنوری ۱۹۵۲ء)،

مقامِ پیدائش چناب نگر،جبکہ آبائی علاقہ رحیم یار خان' خان پور ہے

تعلیم : ایم اے (اردو)۔۔

حیدر قریشی نے اپنے ادبی سفر کا آغاز ۱۹۷۱ء میں کیا۔اسی سال ان کی شادی ہوئی۔حیدر قریشی نے شاعری میں غزل' نظم' ماہیا میں دلچسپی لی جبکہ نثر میں افسانہ' خاکہ' انشائیہ' سفر نامہ' یادنگاری' تحقیق وتنقید، حالاتِ حاضرہ سارے میدانوں میں اپنی توفیق کے مطابق کام کیا۔اردو ماہیا کے حوالے سے حیدر قریشی کا کام تحقیقی ،تنقیدی اور تخلیقی ہر لحاظ سے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ادبی معرکہ آرائیوں میں تلخ حقائق پر مبنی حیدر قریشی کا کام ادب کی تاریخ میں محفوظ رہنے والا ہے۔حیدر قریشی کی تخلیقات میں اپنے قریبی عزیز و اقارب کا کثرت سے اور بڑی محبت سے ذکر ملتا ہے۔اس لحاظ سے بھی ان کا کام قابلِ توجہ ہے۔حیدر قریشی مجلسی سطح پر زیادہ دکھائی نہیں دیتے لیکن ان کے سارے ادبی کام کو یونیورسٹیوں میں بھی سنجیدگی اور علمی دلچسپی کے ساتھ دیکھا گیا۔اور ادبی حلقوں میں بھی ان کی پذیرائی ہوئی۔ پی ایچ ڈی، ایم فل اور ایم اے کے تیرہ مقالات حیدر قریشی کے ادبی کام کے مختلف زاویوں سے اب تک لکھے جا چکے ہیں جبکہ چھ مقالات میں جزوی مگر اہم ذکر کیا گیا ہے۔''جدید ادب'' خان پور اور پھر ''جدید ادب'' ،جرمنی کا اجرا، حیدر قریشی کی مدیرانہ حیثیت کا تعین کرتا ہے۔علاوہ ازیں نومبر ۲۰۲۱ء سے روز نامہ ''عکاس'' کولکاتہ کا ادبی ایڈیشن باقاعدگی سے ترتیب دے رہے ہیں۔یہ ایڈیشن ہر اتوار کو باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور حیدر قریشی کی ادبی ادارتی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔۱۹۹۴ء سے جرمنی میں مقیم ہیں اور اپنی ساری اولاد کے ساتھ وہیں آباد ہیں۔

حیدر قریشی کی ساری کتب پڑھنے سے ہی ان کا پورا تعارف ہو سکے گا اور ان کتب کی تفصیل یوں ہے۔

خود سے پہلے

ابا جی اور امی جی (تصنیف و تالیف)،۔۔۔۔۔حیاتِ مبارکہ حیدر (تصنیف وتالیف)۔۔۔۔مبارکہ محل (مرتب کردہ)

شعری مجموعے : سلگتے خواب،۔۔عمرِ گریزاں ،۔۔محبت کے پھول، ۔۔دعائے دل،۔۔دردسمندر،۔۔زندگی،۔۔

غزلیں، نظمیں، ماہیے (چار شعری مجموعے ایک جلد میں)

نثری مجموعے: روشنی کی بشارت،۔۔۔قصے کہانیاں،(افسانے) میری محبتیں (خاکے)۔۔کھٹی میٹھی یادیں ،۔۔قربتیں، فاصلے (انشائیے)، ۔۔۔سوئے حجاز (سفرنامہ عمرہ اور حج)۔

تحقیق وتنقید: حاصلِ مطالعہ،۔۔تاثرات،۔۔مضامین اور تبصرے،۔۔ مضامین ومباحث،ستیہ پال آنند کی بودنی، نابودنی،۔۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور مابعد جدیدیت،وزیر آغا عہد ساز شخصیت،

ماہیا کے حوالے سے تحقیق وتنقید: اردو میں ماہیا نگاری،۔۔۔اردو ماہیے کی تحریک، اردو ماہیے کے بانی ہمت رائے شرما،۔۔۔اردو ماہیا،۔۔۔ ماہیے کے مباحث،۔۔۔

حالاتِ حاضرہ: منظر اور پس منظر،۔۔۔خبر نامہ،۔۔۔ اِدھر اُدھر سے، ۔۔۔چھوٹی سی دنیا،۔۔۔۔

متفرق: بیماری یا روحانی تجربہ۔۔سوشل میڈیا کی محبتیں۔۔۔

حیدر قریشی نے اپنی کتب مختلف کلیات کی صورت میں بھی انٹرنیٹ پر شائع کر رکھی ہیں۔

چھ شعری مجموعے ایک جلد میں ''قفس کے اندر''،۔۔۔

افسانوں، خاکوں، یادوں، انشائیوں اور سفر ناموں پر مشتمل چھ نثری مجموعے ایک جلد میں **''خواب کے اندر خواب''**۔۔۔

اردو ماہیے کی تحقیق وتنقید پر مشتمل پانچ کتابیں ایک جلد میں **''اردو ماہیا تحقیق وتنقید''**۔۔۔

علمی وادبی موضوعات پر چھ تنقیدی مجموعے ایک جلد میں **''ہمارا ادبی منظر نامہ''**۔۔

پانچ شعری اور چھ نثری مجموعوں پر مشتمل میگزین سائز کتاب **''عمرِ لاحاصل کا حاصل''**۔۔۔مذکورہ بالا کلیات کی صورت میں حیدر قریشی کی کتابیں اس لنک پر موجود ہیں۔

■■■■■■■■■■■■■■■■■■

ادبی اعتراف کے طور پر
حیدرقریشی کے بارے میں لکھی گئی اور مرتب کی گئی کتابیں

۱۔**حیدرقریشی فکروفن** مصنف:محمد وسیم انجم (مطبوعہ۱۹۹۹ء)راولپنڈی

۲۔**حیدرقریشی فن اور شخصیت** مرتبین: نذیر فتح پوری اور سنجئے گوڑ بولے (مطبوعہ۲۰۰۲ء)پونہ،

۳۔**حیدرقریشی کی ادبی خدمات** مرتب:ڈاکٹر نذر خلیق (مطبوعہ۲۰۰۳ء)

۴۔**حیدرقریشی شخصیت اور فن**۔مقالہ نگار:منزہ یاسمین (۲۰۰۲)بہاولپور

۵۔**حیدرقریشی سے لیے گئے انٹرویوز** مرتب:سعید شباب،مطبوعہ۲۰۰۴ء

۶۔**ادبی کتابی سلسلہ عکاس حیدر قریشی نمبر**۔مدیر ومرتب: ارشد خالد (مطبوعہ اکتوبر۲۰۰۵)۔۔۔

۷۔**حیدرقریشی کی شاعری** :مرتب:ہردے بھانو پرتاپ (۲۰۱۳ء)

۔۸۔**حیدرقریشی شخص وعکس** مدیر ومرتب:ارشد خالد (۲۰۱۴)

۹۔**حیدرقریشی کا ادبی سفر** مقالہ نگار:ڈاکٹر عامر سہیل (۲۰۱۵ء)

۱۰۔**حیدرقریشی کے افسانوں کا مطالعہ** مرتب کردہ:کلثوم رقیہ (۲۰۲۳ء)

۱۱۔**حیدرقریشی کی خاکہ نگاری:ایک جائزہ** مقالہ نگار:کلثوم رقیہ۔۲۰۲۴ء

■■■■■■■■■■■■■■■■■■

مختلف رسائل میں حیدرقریشی پر ترتیب دیئے گئے گوشے اور مطالعۂ خصوصی

۱۔ماہنامہ **''اسباق''** پونہ شمارہ:فروری تا اپریل۱۹۹۳ء۔۔۔

۲۔حیدرقریشی (بطور افسانہ نگار) مطبوعہ **ماہنامہ ''شاعر'' بمبئی**۔شمارہ مئی تا دسمبر۱۹۹۷ء۔ہم عصر اردو ادب نمبر۔۔۔

۳۔سہ ماہی **''ادبِ عالیہ''** وہاڑی۔شمارہ مارچ۲۰۰۲ء۔۔۔

۴۔خصوصی مطالعہ''مہر امروز''مطبوعہ **ماہنامہ کائنات** شمارہ مئی۲۰۰۴ء

۵۔گوشہء حیدرقریشی مطبوعہ **ماہنامہ شاعر بمبئی** شمارہ نومبر۲۰۰۴ء ۔۔

۶۔سہ ماہی **ادب ساز دہلی**،شمارہ:۶،۷،جنوری تا جون۲۰۰۸ء۔۔۔

۷۔ادبی کتابی سلسلہ **عکاس انٹرنیشنل** اسلام آباد۔۔۔

۸۔**روزنامہ پیغام دہلی** شمارہ:۱۰رمئی۲۰۱۴ء،

■■■■■■■■■■■■■■■■■■

حیدرقریشی سے متعلق اب تک ہونے والا یونیورسٹی سطح کا تحقیقی کام

۱۔حیدر قریشی شخصیت اور فن۔۔۔۔منزہ یاسمین (**ایم اے اردو کا تحقیقی مقالہ** سال۲۰۰۲۔۲۰۰۰ء)(اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، پاکستان)

۲۔حیدر قریشی شخصیت اور ادبی جہتیں۔ڈاکٹر عبدالرب استاد (تحقیقی مقالہ برائے **پی ایچ ڈی** ۲۰۱۳ء)(گلبرگہ یونیورسٹی گلبرگہ،کرناٹک)

۳۔حیدرقریشی۔حیات وخدمات انجم آراء(**ایم فل کا مقالہ** سال۲۰۱۳)(کلکتہ یونیورسٹی،کولکاتا،انڈیا)

۴۔حیدرقریشی کی ادبی خدمات۔۔۔۔عامر سہیل (تحقیقی مقالہ برائے **ایم فل اُردو**،۲۰۱۴ء)(ہزارہ یونیورسٹی،مانسہرہ، پاکستان)

۵۔حیدرقریشی کی شاعری کا مطالعہ۔۔۔ہردے بھانو پرتاپ (**ایم فل کا مقالہ**،سال۲۰۱۴ء)(جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی۔انڈیا)

۶۔حیدرقریشی کی افسانہ نگاری کا مطالعہ۔۔۔رضینہ خان (**ایم فل کا مقالہ**

سال۲۰۱۴ء)(جواہرلال نہرو یونیورسٹی، دہلی۔انڈیا)

۷۔حیدرقریشی کی شاعری کی روشنی میں بیرونی ممالک کی اردو شاعری۔'' تنقیدی مطالعہ اور ترجمہ'' شعر المهجر عند حيدر قريشي '' دراسة تحليلية نقدية مع الترجمة''
احمد عبدربہ عباس عبدالمنعم **(ایم اے کا مقالہ** سال ۲۰۱۵ء)از ہر **یونیورسٹی۔قاہرہ،مصر** یہ مقالہ عربی میں لکھا گیا ہے اور اس کے لیے حیدرقریشی کے چار شعری مجموعوں کا عربی ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔

۸۔مجلّہ''جدید ادب'' کی ادبی خدمات'' از کنول تبسم **(ایم فل کا مقالہ**۔سال ۲۰۱۸ء)(وفاقی اردو یونیورسٹی۔اسلام آباد)

۹۔رسالہ''جدید ادب'' کی ادبی خدمات۔تحقیقی وتنقیدی مطالعہ از محمد شعیب ہزارہ یونیورسٹی۔مانسہرہ۔ **(ایم فل کا مقالہ۔۲۰۱۸ء)**

۱۰۔جدید ادب میں شائع ہونے والے مباحث۔۔۔۔شازیہ حمیرہ **ایم اے اردو کا تحقیقی مقالہ**۔۔ سال ۲۰۰۹۔۔۔۲۰۰۷ء۔اسلامیہ یونیورسٹی بھاولپور،

۱۱۔حیدرقریشی بہ حیثیت محقق ونقاد۔۔۔۔صغریٰ بیگم **ایم فل کا تحقیقی مقالہ** سال ۲۰۱۶ء۔۔وفاقی اردو یونیورسٹی اسلام آباد

۱۲۔حیدرقریشی کی خاکہ نگاری:ایک جائزہ ۔۔رقیہ کلثوم **ایم فل کا تحقیقی مقالہ** سال ۲۰۲۱۔۔۲۰۲۳ء۔۔الحمد اسلامک یونیورسٹی۔اسلام آباد

۱۳۔حیدرقریشی کے افسانوں کا ایک مطالعہ۔۔کامران کاظمی۔**پری ایم فل مقالہ**۔ سال ۲۰۰۷ء

۱۴۔حیدرقریشی کے سفرنامہ میں مذہبی پہلو کی نشاندہی اریبہ بی بی کا **بی ایس کا مقالہ**۔۲۰۲۴ء۔گورنمنٹ گرلز کالج،سرائے صالح،

۱۵۔حیدرقریشی کی غیر افسانوی تخلیقی جہات۔۔خالدہ حیدر کا **ایم فل کا مقالہ**۔۔سال ۲۰۲۵ء۔اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

۱۶۔حیدرقریشی کے سفرناموں کا تقابلی مطالعہ۔۔۔رضوانہ اسحاق کا **ایم فل کا مقالہ۔۲۰۲۵ء۔۔۔نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس۔لاہور**

....

یونیورسٹی مقالات میں حیدرقریشی کا جزوی مگر اہم ذکر

۱۔اردو میں ماہیا نگاری از ڈاکٹر صبیحہ خورشید سال ۲۰۰۹ء۔ناگپور یونیورسٹی، ناگپور، انڈیا سے **پی ایچ ڈی کا مقالہ**

۲۔رحیم یارخان کے جدید شعراء کا تصورِ محبوب ازفرزانہ یاسمین۔ سال ۲۰۱۷ء۔نیشنل کالج آف بزنس،ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور، **ایم فل کا مقالہ**

۳۔''ضلع رحیم یار خان کے شعراء گوہر ملسیانی،منورنقوی،حیدرقریشی کا خصوصی مطالعہ'' از محمد بلال قادر **ایم فل کا مقالہ**۔نیشنل کالج آف بزنس،ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

۴۔''خان پور میں اُردو غزل کی روایت کا تجزیاتی مطالعہ'' از نذیر بزمی۔**ایم فل کا مقالہ**۔نیشنل کالج آف بزنس،ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

۵۔اُردو میں میراجی شناسی کی روایت کا تجزیاتی مطالعہ ازساجدہ پروین **پی ایچ ڈی کا مقالہ**۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی۔اسلام آباد۔سال ۲۰۱۴ء

۶۔''لالہ صحرا''۔۔۔''ادب جہاں''۔۔۔''جدید ادب'' کی ادبی خدمات از ثنا اظہر۔**ایم فل کا مقالہ**۔نیشنل کالج آف بزنس،ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس لاہور

....

حیدرقریشی کی تمام کتب اوران سے متعلق
کتب،رسائل اور مقالات تک رسائی کے لیے اس
ایک لنک پر 22 لنک دستیاب ہیں
https://links-about-haider
qureshi.blogspot.com/

حیدرقریشی کے بارے میں دنیا بھر کے شاعروں، ادیبوں اور نقادوں کے تاثرات

یہ سارے تاثرات مختلف، رسائل، مقالات، سوشل میڈیا فورمز پر بکھری ہوئی حالت میں موجود ہیں۔ یہاں منتخب کردہ اقتباسات کو یکجا کیا گیا ہے۔ ان میں جرمنی، روس، انگلینڈ، مصر اور امریکہ کے باشندے وہ اسکالرز بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے ملکوں میں اردو زبان سیکھی۔ ان ملکوں میں اب ازبکستان کو بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔ **(نجیدہ)**

ڈاکٹر وزیر آغا (سرگودھا): ''عمرِ لاحاصل کا حاصل'' ایک انوکھی کتاب ہے جسے ممتاز ہمہ جہت ادیب حیدر قریشی نے یادوں، غزلوں، نظموں، ماہیوں، کہانیوں، انشائیوں، خاکوں اور سفرناموں کی صورت میں رقم کیا ہے اور پھر ان جملہ جہات کو باہم مربوط کر کے ایک ایسی خودنوشت سوانح عمری میں ڈھال دیا ہے جو اپنی انفرادیت، گہرائی اور وسعت کے اعتبار سے ایک ''چیزے دیگر'' میں منقلب ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ شاعری، احساس، متخیلہ اور خیال کے سفر کی داستان ہے اور انشائیہ تخلیقی سطح کی فکری یافت کا بیانیہ ہے۔ جبکہ کہانی زماں کے مختلف ابعاد کی تصویرکشی کرتے ہوئے باطن اور خارج کے منطقوں کو باہم آمیز کرنے پر قادر ہوتی ہے۔ خاکوں اور یادوں کے ذریعے انسان دوسروں سے اپنے تعلقِ خاطر کو منظرِ عام پر لاتا ہے اور سفرناموں میں زندگی کے رواں مناظر کو شخصی زاویۂ نگاہ سے گرفت میں لیتا ہے۔ غور کیجئے کہ یہ سب خودنوشت سوانح عمری کی قاشیں ہیں جنہیں اگر بکھری حالت میں رہنے دیا جائے تو مختلف اصنافِ ادب کی صورت میں دکھائی دیتی ہیں لیکن اگر انہیں سلک میں پرو دیا جائے تو ایک ایسی خودنوشت سوانح عمری بن جاتی ہیں جو ہر اعتبار سے منفرد اور دلکش ہوتی ہے۔ یہی کام حیدر قریشی نے انجام دیا ہے اور ایک ایسی کتاب لکھ دی ہے جسے اگر ایک زاویے سے دیکھیں تو یہ مختلف اصناف میں منقسم نظر آئے جب کہ دوسرے زاویے سے دیکھیں تو یہ ایک خیال انگیز، معنویت سے لبریز تصنیف کی صورت میں سامنے آ جائے۔ حیدر قریشی نے اپنی اس زندہ رہنے والی کتاب کو ''عمرِ لاحاصل کا حاصل'' کہا ہے۔ غور کیجئے کہ اس عنوان میں لاحاصل سے حاصل تک کا سفر ایک ایسی اوڈیسی ہے جو کم کم دیکھنے میں آئی ہے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

ڈاکٹر وزیر آغا (سرگودھا): حیدرقریشی کے ہاں اس کے نتیجے میں ایک ایسی موہوم سی مسکراہٹ ابھری ہے جس میں شرارت کا عنصر واضح طور پر شامل ہے۔ خود پر ہنسنے کے لئے بلا کا اعتماد ہی نہیں اپنی ذات سے

باہر نکل کر خود کو دیکھنے کا رویہ بھی درکار ہے۔تاہم اس رویے کو اپنانا شاعری کے معاملے میں خطرناک بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اگر معروضیت کی گرفت کڑی ہو جائے تو ایسی صورت میں طنزیہ مزاحیہ ادب تو پیدا ہو سکے گا مگر غم میں بھیگی ہوئی وہ مسکراہٹ جنم نہ لے سکے گی جو شاعری کی معراج ہے۔ اور جو محسوسات کی سطح پر بھرپور شرکت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔غور کیجئے کہ ہماری غزل کی روایت تین نمایاں عناصر پر مشتمل ہے۔فکری عنصر، لذت کوشی کا عنصر اور گریہ وزاری کا میلان! گویا اس میں Hedonist, Thinker اور Lamenter تینوں کی کارکردگی دیکھی جا سکتی ہے اور یہ تینوں اپنے اپنے منطقے میں بے حد سنجیدہ لوگ ہیں۔مگر وہ چوتھا عنصر جو ان تینوں کے ذائقے سے آشنا ہونے کے باوجود انہیں ناظر کی حیثیت میں دیکھنے پر قادر ہو، اردو میں خال خال ہی نظر آتا ہے۔اس کی بہترین مثال غالب ہے جس کے ہاں شاعرانہ مزاح Humour of Sublimity کے بہترین نمونے ملتے ہیں یعنی انبساط کی وہ کیفیت جو آپ کو دیر تک ایسی سوچ میں مبتلا رکھے جس میں کسی گہرے دکھ کا احساس شامل ہو۔غالب کی شاعری اس خاص قسم کے معروضی رویے کی بہترین مثال ہے۔دوسری طرف عدم کے ہاں کمتر سطح پر سہی لیکن یہ رویہ اُبھرا ضرور ہے۔اُردو کے نئے غزل گو شعراء میں مجھے حیدرقریشی کے ہاں یہی رویہ نظر آیا ہے۔

....

ڈاکٹر انور سدید (لاہور): حیدرقریشی بلاشبہ پہلے ’’دبستانِ سرگودھا‘‘ سے وابستہ تھے لیکن اب خود شجر سایہ دار بن گئے ہیں۔میں انہیں ’’دبستانِ حیدرقریشی‘‘ کے نام سے موسوم کرتا ہوں جس نے جرمنی میں اردو ادب کا چراغ روشن کر رکھا ہے۔وہ پاکستان کے تہذیبی اور ادبی سفیر ہیں اور انہیں قومی اعزاز ’’پرائیڈ آف پرفارمنس‘‘ سے سرفراز کیا جانا چاہئے۔ان سے کم درجہ کے ادیب یہ اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

....

ڈاکٹر لڈمیلا وسیلئیو (ماسکو): مجھے پہلے کی طرح آپ کے کام کی صلاحیت کے معجزے پر حیرت بھی ہے اور صدرشک بھی۔سمجھ میں نہیں آتا ہے آپ 24 گھنٹوں کو 48 گھنٹوں یا اس سے بھی زیادہ کس طرح بنا لیتے ہیں؟۔اگلی ملاقات ہوگی (انشاءاللہ) تو آپ سے یہ منتر سیکھنے کی کوشش کروں گی۔

....

ڈاکٹر لڈمیلا وسیلئیوا (ماسکو)

حیدرقریشی ایک عرصے سے اردو کی ادبی دنیا میں اپنی تحریروں سے پہچانے جاتے ہیں اور ان کی ادبی سرگرمیاں دنیا کے ہر اُس کونے میں مشہور ہو چکی ہیں جہاں اردو کا نام ہے۔اکثر حیدرقریشی کا ذکر یورپ میں اردو ادب کے سفیر کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔حیدرقریشی کی کثیرالجہت تخلیقات پر کئی باوقار ادیب اپنی رائے لکھ چکے ہیں اور برِصغیر کے دونوں ممالک میں یونیورسٹیوں کے طالب علم ان کی ہمہ پہلو ادبی خدمات کے موضوع پر اپنے علمی مقالے بھی لکھ چکے ہیں۔۔۔۔۔۔۔عصری دور کے کسی اور اردو ادیب کی تصانیف اور اس سے منسلک ادب کے بارے میں زیادہ وسیع، واضح اور باترتیب تفصیلات کی مثال ڈھونڈنا مشکل ہے۔

....

ڈاکٹر لدمیلا وسیلئیوا (ماسکو) بنام **حیدرقریشی**

محترم حیدرقریشی صاحب

آپ کے تفصیل جواب کے لیے بے حد شکریہ۔

جہاں تک 'جدید ادب" کے خانپور کے دور کی بات ہے تو اس کی پوری داستان مجھے معلوم ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا اور دوسرے اہل ادب سے آپ کے روابط، مالی سمیت وہ ساری مشکلات بھی جو آپ کو رسالہ نکالنے کی راہ میں عبور کرنا پڑیں اور آپ کی اَن دیکھی قوت ارادی اور استقلال، سب معلوم، اور اس سب کچھ سے میں بہت ہی متاثر ہوئی ہوں۔ برِصغیر سے باہر شائع ہونیوالے جریدوں پر، جو ستر کے عشرے سے لے کر آج تک نکالے جاتے تھے، میرے مطالعہ، جائزہ میں آپ کا کردار اور آپ کا "جدید ادب" مرکزِ توجہ ہے۔آپ کا ایک مثالی فقرہ جو "جدید ادب" کے

شمارہ نمبر ۱۷، ۲۰۱۱ء کے اداریہ میں درج ہے، آپ کی ادبی سرگرمیوں کی بہترین وضاحت ہے، جس پر خاص زور دیئے بغیر نہیں رہا جاتا ہے کہ "میں کوئی ادبی خدمت نہیں کر رہا بس اپنی زندگی اور ادبی زندگی بسر کر رہا ہوں"۔۔۔کیا خوب آپ نے کہا۔

■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■

ڈاکٹر لڈمیلا وسیلئیو (ماسکو یونیورسٹی۔روس)

I was very happy to see a new urdu site in I-T and read the poetry of Mr. Haider Qureshi as well as to have some information about himself particlalarly.
I have some books by Haider Qureshi saheb, once I even had a tel. talk to him.so your site was like a meeting of an old friend. it was nice Besides that. these days i am writing an article about urdu poetry in westren countries.so your site give me some new materials.

آپ کی محنت بہت قابلِ تعریف ہے۔مبارک باد!

■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■

Dr. Derek Littlewood,
Birmingham City University

Haider Qureshi's splendid collection of short stories extends the range of contemporary Urdu writing available in English translation. Qureshi is a philosophical story teller who ranges from the Ramayana to ecological fables and reflections on the experience of immigrant workers in Germany.His is a singular voice which deserves a wider audience. These stories are thoughtful and full of interest. *****************

ھانی السعید (مصر):''میری محبتیں'' میری نظر میں اردو خاکہ نگاری میں ہی نہیں مجموعی اردو ادب کی بھی ایک بڑی اہم کتاب ہے۔اس کتاب کا پہلا حصہ اس لیے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اسے حیدر صاحب نے اپنے اہل و اقارب کی نذر کیا ہے اور یہ بات اردو ادب میں بہت ہی نادر ہے۔انہوں نے اس حصے کا ''اول خویش'' نام رکھا اور ایسے خوبصورت خاکے نقش کیے جن میں خاکہ نگاری، افسانہ نگاری، سوانح نگاری اور خودنوشت سوانح نگاری کا امتزاج دل نشیں صورت سے ظاہر ہوتا ہے۔ان خاکوں میں ادب مصوری سے قریب تر ہوتا ہے کہ ہم ان خاکوں/پورٹریٹس کو پڑھ کر ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان کے رشتے داروں کی ایسی صاف صاف تصویریں دیکھ رہے ہیں جن کے نقشے ایک خاص اور معتبر زاویۂ نگاہ نے کھینچ لیے ہیں۔جن میں ان شخصیات کے ساتھ ساتھ حیدر صاحب کے جوہر بھی سامنے آتے ہیں۔یوں ظاہر ہوتا ہے کہ قریشی صاحب نے ''اپنے اندر کی آواز بڑے دھیان سے سن کر'' یہ خاکے تراشے ہیں۔اسی لیے ہر خاکہ ایک معیاری پورٹریٹ کی طرح دکھائی دیتا ہے۔دورانِ مطالعہ ہمیشہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ اپنے قلم سے نہیں بلکہ اپنے دل سے لکھتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہمیں بھی دورانِ مطالعہ اس بات کا شدید احساس ہوتا ہے کہ ہم ان خاکوں کے افراد کو پڑھ نہیں رہے بلکہ ان سب سے مل رہے ہیں۔ ■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■

ڈاکٹر کرسٹینا اوسٹرھیلڈ (ہائیڈل برگ، جرمنی)

حیدر قریشی کی شاعری میں بے ساختہ پن اور روانی ہے۔ایک بار پڑھنا شروع کیا تو جی چاہا پڑھتی ہی رہوں۔دوسرا اہم وصف بے باکی اور وارفتگی کا ہے جو حیدر قریشی کی شاعری میں نمایاں ہے۔

■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■

Cassandra Diana Rousen (U.S.A.)
Haider Qureshi is a breath of fresh air for our times.I am honoured to have hisaquaintance. *****************

Doris Weber (چیف ایڈیٹر ''پبلک فورم''، فرینکفرٹ)

حیدر قریشی کی داستانِ حیات، ایک سچ ہے لیکن اسے پڑھتے ہوئے ایسے لگتا ہے جیسے کوئی افسانہ پڑھ رہے ہوں۔(جرمن سے اردو ترجمہ)

■■■■■■■■■■■■■■■■■■■■

جیلانی کامران (لاہور): ان سے ایک نئے طریق کار کا احساس ہوتا ہے اور ایک ایسے اثباتی تہذیبی رویے سے آشنائی ہوتی ہے جو عصر حاضر کے افسانے میں بہت کم دکھائی دیتی ہیں۔ حیدرقریشی نے ان افسانوں کے ذریعے کہانی کے کینوس کو وسیع کرتے ہوئے نئے امکانات کی طرف اشارا کیا ہے اور اس سچائی کو نمایاں کیا ہے کہ Limit Situation کے دوران انسان صرف کرب ہی کی نمائندگی نہیں کرتا اور نہ اس کا وجود ہی پاش پاش ہوتا ہے بلکہ اس کے نطق سے اس کی اپنی تاریخ گفتگو کرتی ہے۔ ہمارا افسانہ تاریخ کے اس مکالمے سے شاید اب تک غافل تھا۔حیدرقریشی نے اپنے افسانوں کی راہ سے تاریخ کے اس مکالمے کو سننے کی سعی کی ہے۔ ....

جوگندر پال (دہلی): حیدرقریشی اسی وسیع تر زندگی کی دریافت کے لئے اپنی کہانیاں تخلیقتا ہے۔ اپنے اس کھلے کھلے راستے کو طے کرکے اسے دور یا نزدیک کسی شیشے کے محل میں اقامت نہیں اختیار کرنا ہے، بلکہ راستوں سے راستوں تک پہنچنا ہے اور ہر راستے پر تباہ حال زندگی کی باز آبادکاری کئے جانے ہے۔ وہ لکھ لکھ کر گویا کچھ بیان نہیں کر رہا ہوتا، بلکہ اپنے لکھے ہوئے کو کر رہا ہوتا ہے اور اسے ایسا کرتے ہوئے پاکر بے لوث انسانی رشتوں پر باور کرلینا غیر مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی تخلیقات میں تاکید اور اصرار کے عناصر کا شاید یہی جواز ہے کہ وہ تحریر کو بے ضرر آرائشوں کی حدود سے باہر لاکر اسے کارکردگی کا فعال ذریعہ بنا لینا چاہتا ہے۔ ایسی ہی تخلیقی شرکتیں گنجان ہوکر آخر کسی دیرپا آہنگ کی پیامبری کی اہل ہوجاتی ہیں۔ ....

ڈاکٹر قمر رئیس (دھلی): کہانیاں علامتی ہیں لیکن معاصر جدید کہانیوں سے الگ اور انوکھی۔ یہاں تاریخ گنگناتی ہے۔ انسانی تہذیب سرگوشیاں کرتی ہے اور ان کی کوکھ سے آج کے جلتے ہوئے مسائل پھنکار مارتے نکلتے ہیں۔۔۔۔ پرکشش کہانیاں جو سوچنے پر اکساتی ہیں۔

....

ڈاکٹر رشید امجد (اسلام آباد): حیدرقریشی کو فکری طور پر میں ایک جدید ترقی پسند افسانہ نگار سمجھتا ہوں کیونکہ ان کے افسانے سماجی زندگی کے خمیر سے تیار ہوتے ہیں اور معاشرے کے دکھ اور مظلوم کی بے بسی ان میں موجود ہے اس حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے موضوعات ترقی پسند ہیں اور معاشرے کو بدلنے کا آدرش رکھتے ہیں لیکن انہوں نے اپنی کہانیوں کو سیدھے بیانیہ میں پیش نہیں کیا بلکہ تخلیقی تجربے سے گزر کر ان کے لیے اظہار کی ایسی زبان وضع کی ہے جس میں استعارہ اور علامت دونوں موجود ہیں بلکہ اکثر انہوں نے تصوف کی اصطلاحات اور اساطیری حوالوں سے بھی کام لیا ہے جو انہیں جدید بناتے ہیں۔ حلقہ اربابِ ذوق نے موضوع کے ساتھ ساتھ فن پارے کی ادبی حیثیت کو بھی ضروری قرار دیا تھا۔ سات اور بعد کی ادبی نسلوں کی تربیت زیادہ تر حلقہ ہی میں ہوئی ہے۔ حیدرقریشی بھی فکری طور پر حلقہ ہی کے پروردہ ہیں اس لیے ان کے افسانوں میں موضوع کی وسعت کے ساتھ ساتھ فنی حوالے بھی موجود ہیں اور وہ فنی جمالیات کے پوری طرح قائل ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔ حیدرقریشی کے دونوں افسانوی مجموعے ان کے فنکارانہ سفر کے دو مرحلے ہیں ان میں ایک فنی اور فکری ارتقاء ہے جو ان کی اگلی منزل کی نشاندہی کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو افسانے کے مجموعی سفر میں بھی یہ دونوں مجموعے اپنی اہمیت اور پہچان رکھتے ہیں۔ ....

دیویندر اسر (دہلی): حیدرقریشی تاریخ کے جھروکے میں جھانکتے ہیں، تہذیبوں کی سرحدوں کو عبور کرتے ہیں، مذہبی صحیفوں کی نظریاتی اور روحانی گتھیاں سلجھاتے ہیں۔ انسان کی روح میں اترتے ہیں، اسکے دل کو بلوتے ہیں، اس کے تصور کے ساتھ اڑان بھرتے ہیں اور جسم کی لذت سے بھی آشنا ہوتے ہیں اور یوں کہانیاں روپ بدل بدل کر شیشا گھر میں اترتی چلی جاتی ہیں۔ حیدرقریشی کی کہانیوں کی دنیا ایسے کرداروں سے آباد ہے سچائی کا المیہ جن کی قسمت بن چکا ہے۔۔۔۔ ایسی کہانیوں میں دل کا بے انت پاتال ہے، روح کا سارا آکاش ہے، جسم کی حدوں کو توڑتا ہوا

تفکر اور قوت متخیلہ ہے---انسان اپنی کل ثقافت، جامع تاریخ، اپنے تمام گناہ وثواب کی پونجی لئے اپنے آپ سے مخاطب ہے۔ میں کون ہوں؟ کہاں سے آیا ہوں؟ کدھر جا رہا ہوں؟---یہ ایسے سوالات ہیں جو مجھے بھی مسلسل ستاتے رہتے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ میں کیوں ہوں؟ یہ جیون کیا ہے؟ میں کیوں زندہ ہوں؟ موت کیا ہے؟ روح، غیر روح، وجود، عدم وجود، انسان، خدا، خلا!! حیدرقریشی کی کہانیاں ایسے ہی سوالوں سے پریشان ہیں اسی لئے ان کی کہانیوں میں مجسم وارداتوں کی بجائے تفکر اور احساس کی لطافت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

حیدرقریشی کی کہانیاں ایک نئی تخلیقی روایت کی شروعات ہیں جو واقعاتی تسلسل اور کہانی پن پر مبنی ہو کر سوال، شک اور فکر کی بنیاد پر کہانی کا شفاف شیشا گھر تعمیر کرتی ہیں۔اس شیشا گھر میں ہم داخل ہونے کے لئے آزاد ہیں لیکن اس سے باہر نکلنے کے رستے بند ہیں، صرف ایک چھوٹا سا روشن دان کھلا ہے، ہمارے دل کا---جس میں نہ جانے کہاں سے روشنی کی کرن چھنک کر آ رہی ہے جس کے ساتھ ساتھ چل کر ہم وقت کے اس نقطہ پر پہنچتے ہیں جہاں سچ ہمارا منتظر ہے۔

جہاں سچ سے ہم معانقہ کرتے ہیں!

....

مظہر امام (دہلی): معاصر شاعری میں تازہ کاری اور تازہ دمی کی ایک نمایاں مثال حیدرقریشی اور ان کا کلام ہے۔۔۔غزل گوئی سے تو ان کی بنیادی دلچسپی ہے ہی (ان کی غزلوں کا ایک مجموعہ "سلگتے خواب" شائع ہو چکا ہے) لیکن انہوں نے نظمیں بھی بہت اچھی کہی ہیں اور بعض نظموں کو پڑھ کر میرے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوا کہ وہ غزل کے زیادہ اچھے شاعر ہیں یا نظم کے۔۔ادھر انہوں نے اتنی بڑی تعداد میں ماہیے لکھے ہیں اور ماہیے کی صنف کی عروضی حیثیت پر مباحث میں اس طرح حصہ لیا ہے کہ اب ان کی شناخت ماہیے کے بغیر نامکمل ہے اور ماہیے کی شناخت ان کے بغیر۔

حیدرقریشی کے کلام سے ایک نرم دل جذباتی شخصیت ابھرتی ہے جس کے اندر محبت میں سب کچھ لٹانے اور بہت کچھ پانے کا جذبہ موجزن ہے۔۔۔۔حیدرقریشی کی شخصیت محبت کے جذبے کو کسی ایک فرد تک محدود نہیں رکھتی خواہ وہ محبوبہ ہی کیوں نہ ہو! وہ محبت کی ہمہ گیری کے قائل ہیں، جو ماں، بیوی، بہن، بھائی بلکہ ساری انسانیت کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہے۔محبت کی یہی وسعت ان کی شخصیت کو توانائی عطا کرتی ہے اور کسی مخصوص مسلک یا عقیدے کے حصار میں مقید ہونے نہیں دیتی۔۔۔۔حیدرقریشی انسانوں سے ہی نہیں، بلکہ فطرت سے بھی اسی طرح ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔

....

سید ضمیر جعفری (اسلام آباد): حیدرقریشی اردو غزل کے نئے افق پر ایک سپوتنک کی طرح بلند ہونے والے ہمارے چند نوجوان شعراء میں شامل ہے۔حیدر کا شعر دردمند بھی ہوتا ہے اور خوش آہنگ و خوش رنگ بھی۔وہ اپنی تخلیقی فصل کے کسی خوشے، بالی، ٹانڈے کو دیمک نہیں لگنے دیتا۔اڑتا ہے تو زمین کو ساتھ لے کر اڑتا ہے۔ہماری جدید غزل میں ایسی اجلی اور پھر ایسی ''مٹیالی'' شاعری کی مثالیں کم کم ملتی ہیں۔ میرے نزدیک حیدرقریشی شعراء کے اس عمدہ گروہ کے سرپنچوں میں سے ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے تو جدید غزل کی وہ ساکھ نہ ہوتی، جو ہے ۔

....

ڈاکٹر سعادت سعید (لاہور): حیدرقریشی کے ماہیے پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے جہاں ایک طرف اپنے اردگرد کی زندگی کو ایک مفکر کی آنکھ سے دیکھا ہے وہاں دوسری طرف انسان کی عمومی خوشیوں، یادوں، سوگواریوں، غموں، آسوں، امیدوں، حسن پرستیوں، شباب دوستیوں، آنسوؤں، قہقہوں، ستم ظریفیوں، بیوقوفیوں، تنہائیوں، حضوریوں، مہجوریوں اور دوریوں کا پرتاثیر انداز سے جائزہ لیا ہے۔

....

نیاز احمد صوفی (لاہور): حیدر قریشی کی کتاب ''محبت کے پھول'' یقیناً اردو ماہیے میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔سب سے خوبصورت بات یہ ہے حیدر قریشی کا اردو ماہیا Diction کی تبدیلی کے باوجود سراسر پنجابی ماہیا ہے اور یہ ان کی بہت بڑی contribution ہے۔انہوں نے موضوع کے اعتبار سے ماہیے کو وسعت ضرور دی ہے مگر اس کی اصلی شناخت کو مجروح نہیں ہونے دیا' بلکہ اس کی چال میں ایک بانکپن آ گیا ہے۔میں ان کے ماہیوں سے بے حد لطف اندوز ہوا ہوں۔Inspire بھی ہوا ہوں۔میرے خیال میں ہر حساس قاری اس مجموعے میں دیئے گئے ماہیوں سے شاعر کی عظمت کا قائل تو ہوگا ہی۔۔۔ساتھ ساتھ وہ پنجابی ماہیے کو ایک نئے رُوپ میں دیکھے گا اور یقیناً اسے سراہے گا۔

....

شگفتہ الطاف (بہاول پور): حیدر قریشی کی تخلیقی صلاحیتوں میں سے جو فیض اور جو حسن اردو ماہیے کو نصیب ہو رہا ہے اس کی اڑان ترقی کی انتہا سے کچھ دور نہیں۔حیدر قریشی کی ماہیا نگاری اور ''اردو ماہیے'' سے بے پناہ وابستگی اس بات کا یقین دلاتی ہے کہ ''اردو ماہیے'' کا مستقبل خوش آئند اور تابناک ہے۔..................

فیصل عظیم (امریکہ): ماہیے کو زندہ رکھنا تو خیر ایک ''فرضِ منصبی'' جیسی اصطلاح معلوم ہوتی ہے اور ایک تخلیق کار کا خون جب لفظوں کی رگوں میں دوڑ کر انہیں ماہیا' غزل' نظم' افسانہ یا کسی اور صورت میں زندگی دے یا یوں کہیے کہ اس کے چہرے پر اپنے رنگ بکھرا جائے تو صنف کی حفاظت پر بات کر کر کے ہم دراصل تخلیق اور تخلیق کار دونوں کی روحوں کو ٹھیس پہنچاتے ہیں۔ماہیے کو ''پروان چڑھانے'' کے حوالے سے حیدر قریشی صاحب کا ذکر بار رہا ہے اور ہوتا رہے گا مگر اہم بات ان کا کلام ہے جو اس صنف میں بھی اتنا ہی توانا اور تازہ ہے جتنا غزل اور نظم میں' ورنہ غور کیجئے تو لوگ صنف سے جڑ کر تخلیق کی خوبصورتی اور گہرائی کے بجائے سطحی عوامل' مثلاً ہندی/ فارسی لغت یا لہجے میں پھنس کر رہ جاتے ہیں اور تخلیق کے بجائے صنف کی خدمت کے حوالے سے پہچانے جانے پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ایک مستند' نابغۂ روزگار ادیب کی یہی سب سے بڑی پہچان ہے کہ وہ ان ''تجاوزات'' کے پیچھے چھپ نہیں جاتا اور حیدر قریشی صاحب کی زبردست تخلیقی صلاحیت اس بات کا ثبوت ہے۔

....

ڈاکٹر وحید قریشی (لاہور):
میں آپ کی شاعری کا مداح بلکہ دلدادہ ہوں۔

....

کالی داس گپتا رضا (بمبئی): حیدر صاحب کے یہاں ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں جو روایت اور نئے پن کو ساتھ لے کر چلتے ہیں اس قسم کے اشعار کہنا آسان نہیں۔....................

ڈاکٹر شفیق احمد (بہاول پور): اُردو شاعری کے بہت سے شعراء کے شعروں سے اُن کی زندگی کے اہم واقعات کا سراغ مل سکتا ہے لیکن میری دانست میں حیدر قریشی اردو کے واحد شاعر ہیں جنہوں نے اپنے بارے میں اپنی شاعری ہی میں بہت کچھ بتا دیا ہے اتنا کچھ کہ اگر کوشش کی جائے تو اُن کی ایک مکمل سوانح عمری مرتب کی جا سکتی ہے۔

....

ادیب سہیل (کراچی): حیدر قریشی کی شاعری محض نظارے کی شاعری نہیں'شمول کی شاعری ہے۔یہ شمولیت غمِ جاناں کی بھی ہو سکتی ہے اور غمِ دوراں کی بھی۔غمِ جاناں کا تعلق محبت سے ہے اور غمِ دوراں کا تعلق مشقت سے۔کتاب کا نام ''سلگتے خواب'' اور اس کے اندر کا مواد دونوں طرح کی شمولیت کا اعلان کرتا ہے۔اس تیور اور زندہ لہجے کے شاعر کی خو محض تماشہ بین نہیں ہو سکتی۔عصری آگہی کی اصطلاح صحیح معنوں میں اس طرح کی شاعری پر صادق آتی ہے۔

....

انوار فیروز (راولپنڈی): حیدرقریشی نے بڑی محنت، خلوص اور لگن کے ساتھ اپنا شعری سفر جاری رکھا اور ایک نئی جہت اختیار کی۔ان کے وژن میں وسعت پیدا ہوئی۔۔۔۔مجھے خوشی ہے کہ حیدر قریشی کا شعری سفر رفتار کی منزلیں طے کر رہا ہے۔

……………………

ڈاکٹرغلام شبیر رانا (جھنگ): میں ایک طویل عرصے سے آپ کی بے پناہ شعری صلاحیتوں کا معترف اور لائق صد رشک علمی فضیلت اور ادبی مقام کا معتقد ہوں۔آپ کی محبت سے میرا دامن معطر ہے۔اردو ماہیے کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں آپ نے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں ان کا اعجاز ہے کہ اس صنف کی جانب بہت سے ذہین لکھنے والے متوجہ ہو گئے ہیں۔۔۔مجھے آپ کے خیالات سے مکمل اتفاق ہے۔

……………………

غزالہ طلعت (خان پور): حیدرقریشی کی غزل میں اس کے دکھ اور اس کی خوشیوں کا انداز ایسا ہے کہ یہ سب اپنا اپنا سا لگتا ہے۔قاری کے دل میں اس طرح گھر کر لینا حیدر قریشی کی غزل کی کامیابی کا ثبوت ہے۔۔۔حیدر قریشی کی شاعری غزل،نظم اور ماہیا تینوں میں اپنا جادو جگاتی ہے۔اس کی شاعری پڑھتے ہوئے بعض اوقات ایسی کیفیت ہو جاتی جو غالب کے کہنے کے مطابق ؎ میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے،اور جب یہ کیفیت نہیں ہوتی تب اس کی شاعری ویسے ہی سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔ان دو کے سوا کوئی تیسری کیفیت یا حالت حیدر قریشی کی شاعری میں نہیں ہے۔گویا قاری کے لیے کوئی جائے فرار نہیں ہے۔

……………………

فرحت نسیم ھاشمی (اسلام آباد): میرے نزدیک حیدر ایسے شاعر ہیں جو ہر جذبے، ہر درد، ہر غم، ہر کرب، ہر رشتے میں دھڑکتے دل کی ہر کیفیت کو بہت گہرائی کے ساتھ محسوس کرتے ہیں اور پھر اسے لفظوں میں ڈھالتے چلے جاتے ہیں۔حیدر کی شاعری بظاہر کاغذ پر لکھی گئی ہے مگر یوں لگتا ہے جیسے وہ اپنے پڑھنے والوں کی قلبی سرزمین پر لفظوں اور حرفوں کی ایک بڑی فصل اُگا رہے ہیں،جس میں کھلنے والے مہکتے پھول پڑھنے والوں کے کئی لمحوں کو مہکا دیتے ہیں اور امید کے ایسے در وا کرتے ہیں کہ پڑھنے والا دیر تک اس سحر سے آزاد نہیں ہوتا۔

……………………

ڈاکٹر شفیق احمد (بہاول پور): حیدرقریشی کی شاعری درحقیقت ان کی زندگی کا ایسا آئینہ ہے جس میں ان کی زندگی کے تقریباً سبھی اُتار چڑھاؤ اور دُکھ درد دیکھے جا سکتے ہیں۔

……………………

ایوب خاور (لاہور)''عمرِ لاحاصل کا حاصل''اور''جدید ادب'' نے اُس رات بھی اور آج رات بھی صبح تک مجھے جگائے رکھا۔ہمارے درمیان بہت کم ایسی ادبی شخصیات ہیں جنھوں نے ادب کے اتنے سارے منطقوں میں نہ صرف قدم رکھا بلکہ خوب خوب سیر کی اور اپنے تجربوں اور مشاہدات کو اپنے تخلیقی سفر کا حصہ بنایا۔میں آپ کی ان کاوشوں کو انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔یوں ہی ایک اور خیال آیا ہے کہ''خان پور سے جرمنی تک'' کا احاطہ کیجیے۔آپ جس ڈھنگ سے کردار بناتے ہیں اور اُن کرداروں کو ایک خاص ڈھب سے کہانیوں کے نشیب و فراز سے گزارتے ہیں بہت Realistic ہیں۔''خان پور سے جرمنی تک'' کی ان کئی دہائیوں میں ایسے بے شمار کردار ہوں گے اور ایسے دلچسپ اور صبر آزما واقعات ہوں گے جو آپ کی تخلیقی اپچ کے محتاج ہوں گے۔

……………………

ڈاکٹر محبوب راھی (انڈیا): حیدرقریشی ایک کثیر المطالعہ،وسیع النظر،کشادہ ذہن،پختہ فکر اور تازہ کار تخیّل کے حامل ایک باشعور تخلیق کار ہیں۔اپنے گرد و پیش، قریب و بعید،زندگی کے داخلی اور خارجی عوامل، گوناگوں تجربات،روزمرہ درپیش واقعات،خوشگوار و ناخوشگوار حادثات و سانحات، مختصر یہ کہ حیات و ممات سے متعلق لوازمات جن سے وہ

گزرتے رہے ہیں، جنہیں وہ جھیلتے رہے ہیں، کم و بیش ان تمام کیفیات کو ان سے پیدا شدہ نتائج کے ساتھ اشعار میں سمو لیا ہے۔ان کی غزل رنگینیٔ تخیّل کا محض نگار خانہ نہیں، جیتی جاگتی زندگی کے رنگا رنگ حقائق کا منظر نامہ پیش کرتی ہے۔

انہوں نے اپنے غزلیہ اشعار کے وسیلے سے نامعلوم خلاؤں میں محض الفاظ و خیالات کے طوطا مینا اڑانے کے بجائے زندگی کی رگوں میں دوڑنے پھرنے والے، زندگی کی اوبڑ کھابڑ سطح پر رواں دواں تلخ و ترش اور کھٹے میٹھے حقائق کی اثر انگیز ترجمانی کی ہے۔انہیں دنیا سے جو کچھ ملا ہے اسے لوٹانے کے بجائے اس کے ردو قبول کی مشترکہ کیفیت کو ایک دلکش طرزِ اظہار کے وسیلے سے دنیا کے روبرو پیش کر دیا ہے۔وہی سب کچھ جسے شاعری کی اصطلاح میں سماجی بصیرت اور عصری حسیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔حیدر قریشی کے دامن نگاہ میں کائنات کی اتنی وسعتیں سمٹ آتی ہیں جن کی سمائی کی تنگنائے دل میں گنجائش نہیں ہے۔

....

ڈاکٹر نجمہ رحمانی (دہلی) حیدر قریشی کی دنیا صرف عشق و محبت کے رنگین افسانوں سے مزیّن نہیں بلکہ ان کی شاعری میں عصرِ حاضر کا وہ کرب بھی شامل ہے جس سے اس عہد کا ہر ذی شعور اور حساس انسان دوچار ہے۔قصرِ سیاست کی عیاریوں کے ساتھ عام انسان کی بدلتی نفسیات، مادّیت پرستی کے بڑھتے رجحان پر ان کا قلم لکھتا ہے اور خوب لکھتا ہے۔خیالات کا بہاؤ انہیں نیرنگیٔ دوراں کے نئے جہانوں کی سیر کراتا ہے۔

....

ڈاکٹر علی احمد فاطمی (الہٰ آباد):اس منزل پر پہنچتے پہنچتے فکر کی بلندی، خیال کی نزاکت، غزل کے اسرار و رموز حیدر قریشی کی غزل گوئی کے وہ امتیازی اوصاف بن جاتے ہیں جہاں حقیقت اور رومانیت ،کلاسیکیت اور جدیدیت ،مقامیت اور عالمیت اور ان سب پر غالب ایک مخصوص شاعرانہ کیفیت نے ان غزلوں کو لائقِ مطالعہ ہی نہیں بلکہ عہدِ حاضر کا ایک رزمیہ بنا دیا ہے جس کا پُرشوق مطالعہ ایک نئی جمالیاتی دنیا میں لے جاتا ہے۔جہاں زمان و مکاں ماضی و حال باہم مدغم ہو کر غزلیہ شاعری کی ایک ایسی لَے اور ایک ایسا آہنگ بن جاتے ہیں جہاں شاعری صرف ادب ہی نہیں بلکہ فکر و فلسفہ، تاریخ و تہذیب کا روپ اختیار کر لیتے ہیں۔بعض اشعار تو ایسے ہیں جن کی معنویت و مقصدیت کا دائرہ پھیل کر قوسِ قزح کا روپ اختیار کر لیتا ہے۔ایک آفاقی معنویت کا علمبردار۔

....

سعید رشید (دہلی): حیدؔر قریشی نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔زیست کے فلسفوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔انہوں نے حیات و ممات کے مباحث میں الجھ کر موت کو سینے سے لگایا ہے انہوں نے زندگی کو عذاب اور موت کو شباب کی نظر سے دیکھا ہے۔ان کا ایقان ہے کہ موت کا خلوص زندگی کے فریب پر بھاری پڑ جاتا ہے۔موت سے قبل زندگی کے قرض کی ادائیگی کا خیال ہمیں چونکاتا ہے اور ہر لمحہ دعوتِ فکر دیتا ہے۔۔۔۔وہ آلام و مصائب سے گھبراتے نہیں بلکہ ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔وہ غموں سے فرار حاصل نہیں کرتے بلکہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کا راستہ نکالتے ہیں۔۔۔۔۔۔حیدؔر قریشی جدید لب و لہجے کے شاعر ہیں۔وہ جدید خیالات، جدید حسّیات، جدید تشبیہات و استعارات، جدید لفظیات اور جدید تراکیب تراشتے ہیں۔وہ خیال اور مضامین دونوں کی جدّتوں کو بروئے کار لاتے ہیں۔ان کی شاعری میں مشینوں کی گڑگڑاہٹ کا بیان نہیں ملتا لیکن مشینوں کی حکومت نے انسانی احساسات پر جو قبضہ جمانے کی کوشش کی ہے اس سے بیزاری کے نقوش ضرور مل جاتے ہیں۔ان کے شعروں میں تنہائیوں کا کرب، ہجرت کی تکالیف، سینوں کے داغ، اور دلوں کے زخم کی صدائیں گونجتی ہیں۔وہ گلوبلائزیشن کے حصار میں گھری زندگی اور اس کے مسائل کا عکس پیش کرتے ہیں۔دنیا تیزی سے ایک عالمی گاؤں میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے۔رشتوں کی جڑیں کھوکھلی ہوتی جا رہی ہیں۔پیار، محبت اور ایثار و خلوص کی

عمارت ٹوٹتی جا رہی ہے ۔جدید ترین قمقموں کی فراوانی کے باوجود اندھیروں کی سلطنت بڑھتی جارہی ہے۔دوریاں سمٹتی جارہی ہیں مگر دلوں کے درمیان فاصلے وسیع ہوتے جارہے ہیں۔تنہائیاں ہرطرف اپنا جال بن رہی ہیں۔ایسی حالت میں شاعر کے دل کا اداس ہونا عین فطری ہے۔ وہ گہری سوچ میں ہے۔کسی مسئلے کی طرف وہ مسلسل سوچ رہا ہے لیکن خیالات کے نہ ختم ہونے والے سمندر میں اس کی ذات مزید ڈوبتی جارہی ہے اور وہ اپنے وجود سے بے خبر اپنی ہی تلاش میں سرگرداں ہے۔

....

ڈاکٹر جمیلہ عرشی (جے پور،راجستھان): جرمنی میں مقیم حیدرقریشی ویسے تو اردو کی معروف شخصیت ہیں اور نثر و نظم کے میدان میں اپنی اہمیت وعظمت ثابت کرا چکے ہیں۔انہوں نے مختلف اصنافِ ادب کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا ہے۔شاعری میں بھی حیدر صاحب کی شخصیت مثلث کی حیثیت رکھتی ہے اور غزل، ماہیا،نظم کے زاویوں میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ یہ مثلث ایسا ہے کہ جو نہ صرف ان کی شاعرانہ قدرتِ کلام کو ظاہر کرتا ہے بلکہ متنوع شخصیت کے پہلو بھی اُجاگر کرتا ہے۔اُن کی غزلیں پڑھ کر بے ساختہ داد دینی پڑتی ہے،۔۔ماہیا نگاری میں وہ یدِ طولیٰ رکھتے ہیں اور نظم گوئی میں بھی وہ بہرصورت کامیاب ہیں ۔کس کو کس پر ترجیح دی جائے؟اگر قاری کے سامنے یہ سوال کھڑا کیا جائے تو وہ پس و پیش میں پڑ جائے گا کیونکہ مثلث کے تینوں زاویے اُسے دلکش دکھائی دیں گے اور ہر زاویہء نظر سے حیدرقریشی کی تصویر عظمت کا پیکر بن کر اُبھرے گی۔ ....

منزہ یاسمین (بہاول پور): حیدرقریشی کی غزل میں تغزل کا رنگ وآہنگ اپنے تمام تر لوازمات کیساتھ نظر آتا ہے جو کہ ان کی شاعری کا امتیازی وصف ہے۔۔۔۔۔حیدرقریشی کی غزل قدامت کے ساتھ ساتھ جدیدیت کا رنگ بھی رکھتی ہے۔اس کی غزل میں علم بیان کے ساتھ ساتھ علم بدیع کی خوبصورتی بھی ہے نیز وہ غزل کہتے کہتے اپنے قبیلہء شاعری کے علاوہ اپنے علاقے کو بھی نہیں بھولتا۔ ....

منزہ یاسمین (بہاول پور): حیدرقریشی بنیادی طور پر غزل گو شعراء میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کی غزلوں میں مشرقیت سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔حیدرقریشی رموزِ شاعری سے واقف ہیں۔اس لیے انہوں نے جو کچھ کہا وہ ان کے ذوق اور سلیقے کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔حیدرقریشی کی شاعری روایتی اور جدید دونوں موضوعات کا حسین امتزاج ہے ۔۔۔۔۔۔حیدرقریشی نے اپنی شاعری میں عشق کو محض تذکرے کے طور پر نہیں اپنایا بلکہ انہوں نے عشق کو اس کی تمام تر حرارتوں اور جذباتی محرکات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ان کا محبوب روایتی غزل کا خیالی ہیولہ نہیں بلکہ یہ ان کی دنیا کا باسی ہے جوان کے اردگرد اپنی تمام تر حقیقتوں کے ساتھ موجود ہے۔۔۔۔۔۔۔حیدرقریشی کی غزل میں علم بیان کے ساتھ ساتھ علم بدیع کی خوبصورتی بھی ہے۔۔۔۔۔حیدرقریشی کی نظموں کے رنگا رنگ موضوعات اپنی مکمل قوت اور توانائی کیساتھ تہذیبوں کے اتار چڑھاؤ اور کائنات کی تخلیق کے روپ سروپ لیے قاری کے حواس پر اثر انداز ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ جو اپنے دور کے لوگوں کو محبت وامن کی نوید اور پرانی رنجشوں کو بھلا دینے کا درس دیتے ہیں۔ان کی نظموں میں لفظوں کی پیچ در پیچ زنجیروں میں زندگی سانس لیتی محسوس ہوتی ہے۔

....

خالد یزدانی (لاہور): ان کی کئی کتابوں خاص طور پر انہوں نے اپنی اہلیہ مبارکہ حیدر (مرحومہ) پر جو کتاب لکھی اس میں حیدرقریشی نے جس تفصیل سے دلی کیفیات کو رقم کیا وہ بھی اردو ادب میں اہم اثاثہ قرار دی جاسکتی ہے کہ یہ ایک شخصیت کی نہیں بلکہ ایک فیملی کی جدوجہد کی بھی عکاسی کرتی ہے،ادب عالیہ میں ایسی کتب کم کم لکھی گئیں۔حال ہی میں انھوں نے اپنی نئی کتاب ''بیماری یا روحانی تجربہ''میں اپنی بیماری کی روداد کو جس سچائی سے بیان کیا وہ قابل تعریف ہے۔اس بہت اچھے قلم کار کی توصیف پر جتنا لکھا جائے کم ہے۔ ....

فرحت نواز (رحیم یار خاں): اگر مغربی ممالک میں قیام پذیر اردو کے سارے شاعروں، ادیبوں کا جائزہ لیا جائے تو اپنے اپنے اصنافی دائرے میں سب اچھا کام کر رہے ہیں۔ کوئی شاعر ہے، تو کوئی افسانہ نگار۔ کوئی نقاد اور محقق ہے تو کوئی خاکہ نگار۔۔۔ کوئی انشائیہ نگار ہے تو کوئی سفر نامہ نگار۔۔۔ کوئی سوانح نگار ہے تو کوئی یادنگار۔۔۔ بعض ادباء نے ایک سے زیادہ اصناف میں بھی کام کیا ہے لیکن حیدرقریشی نے جتنا کثیر الجہت کام کیا ہے اور اس میں جس طرح اپنا عمومی معیار بھی برقرار رکھا ہے اس کے باعث مغربی ممالک کے شاعروں اور ادیبوں میں تو حیدرقریشی کا بالکل الگ ایک مقام بن چکا ہے جس میں وہاں کوئی بھی ان کا مدمقابل دکھائی نہیں دیتا۔ ....

بشیر احمد حبیب (امریکہ)

حیدرقریشی: ایک عہد، ایک فکر، ایک کائنات

وہ نام جو بیک وقت کئی جہانوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ معروف ادیب، انشائیہ نگار، شاعر، محقق، دانشور، اور ادبی رسالہ ''جدید ادب'' کے خالق—اور سب سے بڑھ کر اردو ماہیا نگاری کو نئی زندگی دینے والے ایک عہد ساز فنکار۔

ان کا کام اس قدر وسیع اور زرخیز ہے کہ اگر ان کی تخلیقات گنوانے بیٹھیں تو واقعی دونوں ہاتھوں کی پوریں کم پڑ جائیں۔ وہ ان خوش نصیب ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں جن پر گریجویشن، ماسٹرز اور پی ایچ ڈی کی سطح پر انڈیا، پاکستان اور مصر میں تحقیقی کام ہو چکا ہے اور مسلسل ہو رہا ہے۔ گزشتہ ایک دہائی سے زائد عرصے سے وہ بھارت سے شائع ہونے والے معروف اخبار عکاس کے ادبی صفحے کے خالق و نگہبان بھی رہے ہیں، جہاں انہوں نے نہ صرف خود لکھا بلکہ نئی آوازوں کو بھی متعارف کروایا یوں وہ محض تخلیق کار نہیں بلکہ ایک ادبی ادارہ بن کر سامنے آئے۔

حیدرقریشی کا امتیاز صرف کثرتِ تصنیف نہیں، بلکہ تنوع اور فکری گہرائی ہے۔ ان کے ہاں انشائیہ محض نثر نہیں رہتا، وہ ایک فکری مکالمہ بن جاتا ہے؛ شاعری محض جذبے کا اظہار نہیں بلکہ وجود اور کائنات کے باہمی ربط کی تلاش میں ڈھل جاتی ہے۔ ماہیا جیسی مختصر صنف میں بھی وہ معنی کی ایسی تہہ داری پیدا کرتے ہیں کہ قاری کو ایک لمحے میں کئی جہانوں کا سفر طے کرنا پڑتا ہے۔

ان کی تخلیقات خواہ وہ کسی بھی صنف سے تعلق رکھتی ہوں ایک مربوط نظامِ فکر کی آئینہ دار ہیں۔ یہ نظام محض شعوری کاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ لاشعور کی گہرائیوں سے ابھرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ کائنات اور تخلیقِ کائنات کی ابدی سچائیوں پر ان کی نظر نہایت عمیق ہے۔ وہ ادب کے طالب علم ہونے کے ساتھ ساتھ کوانٹم کی سطح پر مادہ اور روح کی باریکیوں کو نہ صرف عقلی طور پر سمجھتے ہیں بلکہ وجدان کی سطح پر بھی اس ادراک کو پا چکے ہیں۔ اسی لیے ان کے ہاں سائنسی شعور اور صوفیانہ آگہی ایک دوسرے کی ضد نہیں بلکہ تکمیل بن کر سامنے آتے ہیں۔

ان کی تحریروں میں ایک اور نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ قاری کو صرف متاثر نہیں کرتیں بلکہ اسے سوچنے پر مجبور کرتی ہیں ایک ایسا سوال اس کے اندر چھوڑ دیتی ہیں جو دیر تک اس کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ یوں حیدرقریشی کا ادب محض پڑھا نہیں جاتا، جیا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

پھر اس کو دامنِ دل میں کہاں کہاں رکھیں
سمیٹ سکتے ہیں جو کائنات آنکھوں میں

یہی وسعتِ نظر، یہی گہرائیِ احساس اور یہی فکری ہم آہنگی ان کی شخصیت اور فن دونوں کا امتیاز ہے اور یہی انہیں اپنے عہد کے نمایاں اور معتبر ادیبوں میں ممتاز کرتی ہے۔ ....

احمد سھیل (امریکہ): (حیدرقریشی) کی تحریروں میں کشمکشِ زیست غالب عنصر ہے۔ مگر ان کی شاعری میں تہذیبی جلاوطنی اور سیاسی متعلقات بھی ہیں۔ ان کے شعری اسلوب میں سرائیکی لسانیات کا اردو میں نفوذ بھی نظر آتا ہے۔ شعری صنف ''ماہیا'' پر ان کا کام بڑے معرکے کا ہے۔ وہ خواب گر بھی ہیں اور خواب شکن بھی۔ ....

ڈاکٹر فہیم اعظمی (ایڈیٹر’’صریر‘‘ کراچی): حیدر قریشی الہامی قصص، اساطیر، ذاتی اور معاشرتی مسائل کو آپس میں مدغم کر کے ایک ایسا آئینہ تخلیق کرتے ہیں جس میں پیدائش سے موت تک زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ بیشتر کہانیوں میں میجر کردار خود کہانی کار کی ذات ہوتی ہے اور اس طرح حیدر قریشی فلسفیانہ، مذہبی اور اخلاقی قدروں پر رائے بھی دیتے ہیں تو کسی غیر متعلق یا خارجی خیال آرائی کا احساس نہیں ہوتا اور سب کچھ کہانی کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔

حیدر قریشی کی کہانیاں زمینی زندگی کے معمولی واقعات سے شروع ہوتی ہیں جنہیں فلوبیر کے لفظوں میں SLICES OF LIFE کہا جا سکتا ہے مگر ان میں جلد ہی مذہبی، عقیدتی اور روحانی رنگ بکھرنے لگتا ہے اور ان کی اٹھان عمودی ہو جاتی ہے۔ پھر ان کہانیوں کی فضا زمین اور آسمان کے بہت بڑے حصے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اکثر کہانیوں کا اسلوب داستانی معلوم ہوتا ہے لیکن لہجہ کا دھیما پن، علامتوں، تمثیلوں اور تلازمے کا استعمال انہیں داستانی رنگ سے الگ بھی کرتا ہے۔ کہیں کہیں مذہبی عقائد کا اظہار بھی ہوتا ہے مگر جمالیاتی طور پر ان میں نہ کوئی خطابیت پیدا ہوتی ہے اور نہ کسی آئیڈیل یا انفرنل دنیا میں داخل ہونے کی ترغیب ہوتی ہے۔ حیدر قریشی کی کہانیوں میں زبان اور حوالہ جات اس وقت، زمانے اور علاقے کی حدوں کا تاثر ضرور دیتے ہیں جب اور جہاں ان کی کہانیوں نے جنم لیا کیونکہ اس سے کسی تخلیق کار کو مفر نہیں، لیکن ان کہانیوں کا مجموعی سپکٹرم زمان اور مکاں کی قید سے آزاد ہوتا ہے اور دنیا کے کسی بھی حصے کا قاری ان کہانیوں میں امکانی سچائی دیکھ سکتا ہے۔

....

ڈاکٹر انور سدید (لاہور): حیدر قریشی بظاہر ادب کی کئی اصناف میں ایک طویل عرصے سے بڑی پختہ کاری سے تخلیقی کام کر رہے ہیں تاہم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ افسانے کے دیار میں قدم رکھتے ہیں تو فطرت اپنے اسرار کی گتھیاں ان پر بانداز دگر کھولتی ہے۔ "روشنی کی بشارت" ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ہے لیکن وہ نئے افسانہ نگار نہیں۔ ان کا شمار ساتویں دہے کے ان افسانہ نگاروں میں کرنا مناسب ہوگا جو تجریدیت سے معنی کا نیا مدار طلوع کرتے اور سوچ کو نئی کروٹ دیتے ہیں۔ "روشنی کی بشارت" کے افسانوں میں حیدر قریشی کرنوں کے تعاقب میں سرگرداں نظر آتا ہے لیکن جب اسے سدھارتھ کا معصوم چہرہ نظر آجاتا ہے تو اسے اطمینان ہو جاتا ہے کہ اس کل جگ میں زندہ رہنے کا جواز موجود ہے۔

....

عبداللہ جاوید (کینیڈا): ’عمر لا حاصل کا حاصل‘ میں درج شدہ سارے افسانے پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ انہوں نے اردو افسانے کی مروجہ حدوں کو پار کرنے کی ہمت جتائی ہے۔ اس سے قبل ہمت، جسارت اور بغاوت کے القاب ان افسانہ نگاروں کے لیے استعمال کیے جاتے رہے ہیں جو روایتی موضوعِ ممنوعہ یعنی جنس کو اپناتے تھے۔ جنس کے بعد سیاسی اور مزاحمتی موضوعات کا معاملہ آتا ہے۔ حیدر قریشی ان موضوعات کے دلدادہ نکلے جو مجذوبوں کو ساجتے ہیں۔ وہ ایسے سوالات کے جوابات کے متلاشی معلوم ہوتے ہیں جو قریب قریب لا جواب ٹھہرائے جاتے رہے ہیں۔ یہ بڑا کام ہے اور شاید اسی سبب سے ان کے مختصر لیکن ’بڑے افسانے‘ قاری کا تعاقب کرتے رہتے ہیں۔ آخری سطر پڑھنے پر بھی جان نہیں چھوڑتے سوچنے پر مائل اور دہرانے پر مجبور کرتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ حیدر قریشی کا افسانہ پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے ذاتی زندگی کے کسی تجربے سے گزرنا۔ ایسے تجربے سے جو سوچ، کشف اور بشارت سے عبارت ہے۔

....

ڈاکٹر حمید سہروردی (گلبرگہ): حیدر قریشی کے افسانے پریم چند اور یلدرم کے اسلوب و مزاج کی آمیزش اور آویزش سے اپنا ایک نیا افسانوں مزاج اور ڈکشن تیار کرتے ہیں۔ ان کا تجربہ ہم سب کا تجربہ بن جاتا ہے۔ ان کی بصیرت تیز اور روشن ہے اور وہ افسانے کی میڈیم

سے روزمرہ زندگی کے انگنت تجربوں کو کچھ اس طرح سے گرفت کرتے ہیں کہ زبان وقلب سے بیساختہ حیرت اور استعجاب کے کلمات ادا ہوتے ہیں حیدرقریشی اپنے رنگ ومزاج کو اپنے ہر افسانے میں افسانوی زبان کے تخلیقی واکتسابی امتزاج کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ان کی خوبی نہ صرف ڈکشن میں ہے بلکہ موضوعات کے برتاؤ میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

میں ذاتی طور پر حیدرقریشی کو جدید تر افسانوی میدان میں کامیاب وکامران سمجھتا ہوں۔ان کا یہی انداز توازن وتناسب کے ساتھ برتا جائے تو وہ اپنی انفرادیت برقرار رکھیں گے اور وہ حضرات جو جدید اور جدید تر افسانے کے باب میں شاکی ہیں اطمینان حاصل کرلیں گے۔

....

قیصر تمکین (انگلینڈ): یورپ میں مقیم اردو قلم کاروں کی فہرست میں حیدرقریشی صاحب کا نام اب کسی تعارف کا محتاج نہیں رہ گیا ہے۔ ویسے تو انہوں نے مختلف اصناف ادب میں اپنی محنت وریاضت سے ممتاز جگہ حاصل کی ہے لیکن افسانے کے میدان میں ان کی مساعی واقعی بہت قابلِ لحاظ ہیں بعض بالکل ہی منفرد خصوصیات کی وجہ سے عصری کہانی کاروں میں ان کا ایک بالکل ہی علاحدہ اور نا قابلِ انکار تشخص متعین ہو چکا ہے۔

....

منزہ یاسمین (بہاول پور): حیدرقریشی جہاں شاعری میں اپنے فن کو مکمل طور پر منوا چکے ہیں وہاں اُن کے افسانے بھی اُردو ادب میں اپنے منفرد اور جدت وندرت سے بھرپور ہونے کی بناء پر خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

....

کامران کاظمی (اسلام آباد): ۶۰ء اور ۷۰ء کے عشرے میں جہاں دیگر افسانہ نگار خارجی حقائق سے دلبرداشتہ ہو کر باطنی تجربہ کو کہانی میں وقوعہ بنا رہے تھے وہاں حیدرقریشی خارج سے کٹ کر گیان دھیان کے فلسفے کو عمل میں لا کر کہانی کی نئی جہت کی تلاش میں مگن تھا۔حیدرقریشی کا بنیادی فلسفہ 'ہمہ اوست' ہے۔ وہ کائنات اور دیگر تمام مظاہر کو ایک بڑے نامیاتی کل کا جزو مانتے ہیں۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ میں نے 'جزو' کہا ہے عموماً وحدۃ الوجود کی تعریف کرتے ہوئے بعض دانشور'ایک بڑے کل کے حصے' خیال کرتے ہیں۔'حصہ' ہونے سے وجود کی وحدانیت ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔جبکہ 'جزو' اس کل کا ایسا حصہ ہوتا ہے جو دوبارہ اپنی جگہ پر قائم ہوسکتا ہے۔

حیدرقریشی کا نظریہ حیات یہ ہے کہ کائنات ایک 'کل' کی حیثیت سے وجود رکھتی ہے گویا وہ تمام اشیاء میں وحدت کی کارفرمائی کو بنیادی عنصر خیال کرتے ہیں۔ وحدۃ الوجود کا یہ تصور ہند سے فارس اور فارس سے اسلام کا حصہ بنا ہو یا صوفیا کے باطنی تجربہ کی اختراع ہو یہ امر طے شدہ ہے کہ اس نے حیات انسانی پر متنوع اثرات مرتب کیے ہیں۔حیدرقریشی کا نمایاں وصف مذہبی اساطیر کو کہانی کا حصہ بنا کر ان کے ذریعے سے سماجی مسائل کا اظہار ہے۔ان کی کہانیوں کا داستانوی رنگ تقاضا کرتا ہے کہ موضوعاتی سطح پر ایک ایسا تلمیحاتی واستعاراتی نظام وضع کیا جائے جو انسان کے لیے نہ صرف یہ کہ تاریخی حیثیت کا حامل ہو بلکہ عصر حاضر میں اس کی اہم ضرورت بھی ہو۔مذہب کسی معاشرت کا فعال حصہ ہوتا ہے۔ گو کہ ابھی تک یہ طے نہیں ہوسکا کہ ثقافت مذہب کے بطن سے پھوٹتی ہے یا مذہب مقامی ثقافت میں ڈھل جاتا ہے۔۔۔۔۔۔۔حیدرقریشی بلاشبہ اپنے عہد کا نباض افسانہ نگار ہے۔ جو تلخ سماجی حقیقتوں کے گھونٹ پیتا ہے اور پھر اپنے قاری کو کہانی سنانے بیٹھ جاتا ہے تو اس کی دلچسپیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ان حقائق سے بھی آگاہ کردیتا ہے جن سے قاری بے خبر ہوتا ہے۔حیدرقریشی کا کہانی کہنے کا انداز تیکھا مگر دلنشیں ہے وہ قاری کو حیرتوں میں گم کردیتے ہیں تو ساتھ ہی اسے نئی دنیاؤں کے راستے بھی سجھاتے ہیں۔ گویا ان کا فلسفہ عمل کا فلسفہ ہے۔ اور وہ سب سے پہلے انسانوں کے درمیان مذہب کی دیوار،سماج کی دیوار اور طبقے کی دیوار گرا کر اسے اس بے گانگی سے نجات دلانا چاہتا ہے جس نے اس کی زندگی کی شہزادی کو سامری جادوگر کے جال میں پھنسا رکھا ہے۔حیدرقریشی تمام

انسانوں کو ایک شمار کرتے ہیں اور بلاشبہ انسان دوستی کے بہت بڑے پرچارک ہیں۔

....

اشفاق احمد (لاہور): ولایتی زبانوں میں ایسے سکیچ اپنے اپنے انداز میں بہت ملتے ہیں لیکن اردو میں ''میری محبتیں'' اپنی نوعیت کی واحد کتاب ہے۔

....

جوگندر پال (دہلی): حیدرقریشی کا ذہن زرخیز ہے اور منہ کھٹی میٹھی باتوں سے لبریز۔ حیدرقریشی چونکہ پورا منہ کھول کر جی جان سے بات کرتا ہے اس لئے اس کی تحریر برجستہ اور غیر مبہم ہوتی ہے اور قاری اس میں شامل ہو کر محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس کے خاکے میں ممدوح اسی کی جان پہچان والوں میں سے ہے اور یوں وہ مطالعہ کو بے تامل اپنی مرضی اور خواہش سے گھٹاتے بڑھاتے گویا اس کے بارے میں پڑھ نہیں رہا ہوتا بلکہ اپنے معمول کے دوران اس سے عین مین مل کر اپنے نتائج اخذ کر رہا ہوتا ہے۔ حیدرقریشی کی اس خوبی نے اس کے خاکوں کو واقعی بہت جان دار اور قابلِ مطالعہ بنا دیا ہے۔ حیدرقریشی کی اس کتاب کے بیس خاکے دو حصوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ پہلے دس کے لئے تو وہ اپنے گھر کی چار دیواری میں ہی تاکا کیا ہے اور باقی دس کے لئے گھر سے باہر نکل آیا ہے۔ اوّل خویش، بعد درویش۔ گھر والوں کے تو کلوز اپ تیار ہو گئے ہیں اور درویشوں کے پروفائل، اور ہر دو پر سے نظر ہٹانے کو جی نہیں چاہتا۔ آج کے مشینی دور کی مصروفیت میں سچ مچ کی ملاقاتوں کی گنجائش خطرناک حد تک سکڑتی جا رہی ہے۔ ان حالات میں یہ بھی غنیمت ہے کہ اوروں کے خاکے پڑھ پڑھ کر ہی ہماری ان سے ملنے کی چاہ پوری ہوتی رہے۔ یوں نہیں تو یونہی سہی، جیسے بھی انسان اپنے آپ کو ''انسانیا'' لے۔ مجھے یقین ہے کہ حیدرقریشی کی محبتوں کی یہ کتاب بہت دلچسپی سے پڑھی جائے گی!

....

ڈاکٹر گیان چند جین (امریکہ): ''میری محبتیں'' کے ابتدائی پانچ چھ مضامین میں نے پوری طرح پڑھے، بقیہ کو سرسری دیکھا۔ دوسرے حصہ میں پہلے چار خاکے نیز آخری مضمون پرانے ادبی دوست پڑھا۔ خوب لکھتے ہیں، آپ نے اپنے بزرگوں کے محیر العقول واقعات لکھے ہیں، ان سے میں متاثر ہوا۔ تمام مضامین بہت دلچسپ اور دلکش ہیں۔

....

ڈاکٹر انور سدید (لاہور) حیدرقریشی نے اپنی والدہ، دادا، والد، بیوی، بہن اور بچوں کو انسانی زاویے سے دیکھا اور ان کی صرف انسانی خوبیوں کا تذکرہ کیا لیکن یہ تذکرہ اتنا دلچسپ ہے کہ یہ سب کردار حقیقی معاشرے کی غیر معمولی شخصیات نظر آتی ہیں۔ ''برگد کا پیڑ' 'اجلے دل والا'، زندگی کا تسلسل' ''پسلی کی ٹیڑھ'' بے حد معنی خیز خاکے ہیں اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ جن لوگوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کر رہا ہے وہ حقیقی معنوں میں عظیم تھے۔ ان کی عظمت اشتہاری نہیں تھی۔

....

منشا یاد (اسلام آباد): حیدرقریشی شاعر، افسانہ نگار اور انشائیہ نگار بھی ہیں اور ان کی یہ تینوں خصوصیات ان خاکوں میں جمع ہو گئی ہیں۔ ان میں جا بجا بہت سے چھوٹے چھوٹے خوبصورت اور خیال انگیز افسانے بھی مل جاتے ہیں۔۔ ایک شاعر کی حیثیت سے انہوں نے کثرت سے شعروں کا موزوں اور برمحل استعمال کیا ہے اور ہر خاکے یا مضمون کے آغاز میں ان کا اپنا ایک شعر درج ہے۔۔ ایک انشائیہ نگار کے طور پر ان کے خاکوں میں بہت سے انشائی ٹکڑے موجود ہیں۔ بلکہ یہ خاکے ان کے شوخ اور شگفتہ جملوں سے ہی دلچسپ بنے ہیں۔۔ حیدرقریشی نے خاکہ نگاری کے فن کو محض شوخی، شگفتگی اور تعارف و تبصرہ تک محدود نہیں رکھا۔ ان میں نہایت سنجیدہ معاملات اور دانشورانہ نکتے بھی پیدا کئے ہیں۔ ان سب خصوصیات کی روشنی میں میری محبتیں'' خاکوں کا ایک بہت ہی خوبصورت اور خیال انگیز مجموعہ اور خاکہ نگاری کے فن میں ایک اہم اضافہ ہے۔

....

ڈاکٹر سعادت سعید (انقرہ، ترکی): معاصر اردو ادب کی

بہت سی شخصیات اپنی داخلیت زدگی کی وجہ سے اپنے عہد کے تجربہ کردہ انسانوں کے مسائل کو گرفت میں لانے سے قاصر رہی ہیں۔حیدر قریشی نے اپنی نثری اور شعری تخلیقات میں ذات اور سماج کے معاملات کو یکجا کرنے کے لئے جدید اسالیبی تنوع سے بھر پور کام لیا ہے۔ان کا ادبی کام باسی کڑھی میں ابال کی مثال نہیں ہے۔حیدر قریشی نے جدید اردو نثر کو تازہ کاری کی ایک پُر تاثیر لہر سے آشنا کیا ہے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

محمود ہاشمی (برمنگھم،انگلینڈ): آپ کی بھیجی ہوئی ''میری محبتیں'' مجھے مل گئی ہے۔یقیناً یہ کتاب کا کمال ہے کہ اسے پڑھنا شروع کیا تو پڑھتا ہی گیا۔اور اس وقت تک کسی اور طرف توجہ دینے کا ہوش ہی نہ رہا جب تک کہ وہ ختم نہ ہوگئی۔آپ کی ''محبتیں'' پڑھی تو آپ کے قلم اور مشاہدہ کا قائل ہونا پڑا۔ ▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

ڈاکٹر رضیہ حامد (بھوپال)'میری محبتیں' کئی مرتبہ پڑھ چکی ہوں اور اگر یہی حال رہا تو میں اس کی حافظ ضرور ہو جاؤں گی۔آپ کی تحریر میں بلا کی سادگی اور قاری کو باندھ رکھنے کی طاقت ہے۔درد کی پوشیدہ لہریں دل و دماغ میں اندر تک اتر جاتی ہیں اور قاری اپنے کو قاری نہ سمجھ کر حیدر قریشی بن جاتا ہے، یہ آپ کی تحریر کا کمال ہے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

ترنّم ریاض (دہلی): ''میری محبتیں'' تو کمال کی کتاب ہے سیدھی، سنجیدہ باتیں لکھتے ہوئے آپ جو ہلکا سا مزاحیہ رنگ دے کر جملہ مکمل کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے قہوہ پیتے پیتے الا ئچی کا کوئی دانہ دانت تلے آ کر ذہن و دہن کو خوشبو سے معطر کر جائے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

مقصود الٰہی شیخ (انگلینڈ): آپ کی کتاب ''میری محبتیں'' دیکھنی شروع کی ہے۔لگتا ہے آپ کے پاس کہنے کو بہت کچھ ہے۔کہہ سکتے ہیں اور کہنے کا یارا بھی ہے۔میرا دل چاہا کہ آپ کو بتاؤں کہ جو پڑھا ہے' پسند آیا۔آپ نے بڑی مشکل باتیں بڑی آسانی سے لکھ دی ہیں' آپ کو اس کی داد ملے گی۔۔۔بڑی بے ساختگی ہے، روانی ہے اور گندھی ہوئی خوشگواریت لاجواب ہے۔۔۔آپ کی نثر میں شاعروں سے اچھی اور زیادہ شعریت ہے۔ ▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

اسلم حنیف (انڈیا): نرم اسلوب سے جھانکتی ہوئی تصویریں جاذب نظر ہی نہیں قابلِ تقلید بھی بن گئی ہیں۔خاکہ نگاری نہ ہی کارگہ شیشہ گری ہے اور نہ ہی فن بت تراشی یا مصوری اور فوٹو گرافی' بلکہ یہ تو ایک طرح کی کلوننگ ہے۔آپ نے جن ہستیوں کی کلوننگ کی ہے ان میں ہر ہستی اپنے مکمل وجود کے ساتھ اُبھر آئی ہے۔یہی آپ کے اسلوب اور فن کی بڑی کامیابی ہے۔ ▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

نیاز احمد صوفی (لاہور): آپ کے خاکے ''میری محبتیں'' ماشاء اللہ زبردست ہیں۔یہ نہ صرف آپ کی محبت کی غمازی کرتے ہیں بلکہ اس ثقافتی پس منظر اور روایات کو اجاگر کرتے ہیں جن میں آپ کی تربیت اور ذہنی نشو ونما ہوئی ہے۔آپ کے دیکھنے پرکھنے کے انداز کا اچھوتا پن اور یوں ایک مخصوص زاویے سے زندگی کرنے کی دعوت' ان خاکوں کا نمایاں پہلو ہیں۔اپنی خوشگوار تحریروں سے آپ نے ایسی قدروں کو بے نقاب کیا ہے جن سے نئی نسل کے جیالے آشنا نہیں ہیں۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

عبداللہ جاوید (کینیڈا): جب میں چلنے کو تھا، آپ یعنی حیدر قریشی ''جسم اور روح'' پر بزبان تحریر بات کرتے مل گئے۔موضوع میرا اپنا خاص اور بولنے والا اپنا خاص (جو بھی بھلا لگا وہ بڑی دیر سے ملا)، رُکنا ہی پڑا۔یہ کیسا اسلوبِ بیان ہے کہ بات سے بات جُڑی ہوئی چل رہی ہے، کبھی خراماں خراماں، کبھی رواں، دواں، کبھی بہہ رہی ہے موج در موج، سیل در سیل، جیسے ہوا۔اصل موضوع کا یہ حال کہ چلتے چلتے، بہتے بہتے بالکل غائب اور پھر غیر محسوس طریقے سے دوسری باتوں کے درمیان ایک بار پھر نمودار۔۔خیال، فکر، احساس، ادراک، اپنے طور پر ہر قسم کی قیدو بند

سے آزاد جیسے سب اپنے طور پر اپنے اپنے کاموں میں مصروف، باہم آمیز ہو کر بھی اور جدا جدا بھی ایک غیر محسوس اسلوب کے بنتوں (ٹکسچر) میں بندھے ہوئے۔ بظاہر دھاگے الجھے الجھے اِدھراُدھر نکلتے ہوئے اور پھر خود بخود جُڑتے ہوئے، جیسے کبھی اُدھڑے ہی نہ تھے۔ عرفانِ روح کے مذہب کے راستے کے علاوہ دوسرے راستوں کی نشاندہی نے مضمون کے دامن کو زیادہ معنی خیز بنا دیا لیکن موضوع کو تشنہ رہنا تھا، سو رہا۔ اصل لطف تو طفلانہ معصومیت، حیرانی اور تجسس کی تحت موجی نے دیا جو مجھ سے کم مایہ قاری سے بھی چھپی نہ رہ سکی۔ باتوں کا سلسلہ اس دوران آپ کی تحریر ''اپنے وقت سے تھوڑا پہلے'' کی سرحد میں داخل ہو چکا ہے۔ جسم اور روح سے بھی زیادہ گھمبیر اور گہرے معاملے سے ہم اور آپ دوچار ہیں لیکن لفظیات کا تانا بانا قطعی مختلف ہے۔ حیران کن۔۔عجیب طرح کا ہلکا پھلکا پن، ایک مکمل سپردگی، ایک کامل تسلیم ورضا بلکہ راضی بہ رضا والی کیفیت کی فضا میں ایقان کو چھونے والا یہ احساس کہ انسان کی مساعی ہی قدرت کی پراسرار قوتوں کو مشکل کشائی، تعاون اور سرپرستی کی جانب راغب کرتی ہے۔ لاٹری۔۔نوجوان، رقم سے معمور سوٹ کیس، پولیس۔۔درمیان میں آپ پولیس کے نرغے میں۔۔ٹرین سے چھوٹے بیٹے کا اترنا۔۔تبدیلیٔ شخصیت و شناخت۔۔پراسرار معاملات۔کشف کے، وجدان کے، جذب کے، ماہیت قلبی کے، جیسے کوئی شمس تبریز کسی جلال الدین رومی کو قیل وقال کی پستی سے مرتبۂ حال کی بلندیوں پر لے جا رہا ہو۔

....

سلطان جمیل نسیم (کینیڈا): اِن ذائقوں کی وجہ سے یہ خوبی بھی پیدا ہوگئی ہے کہ ہر پیمانے کے ساتھ ساتھ پڑھنے والے کو اپنی یادوں کے میخانے بھی یاد آجاتے ہیں اور وہ حیدرقریشی کی کھٹی میٹھی یادیں پڑھتے پڑھتے اپنی تلخ وترش یادوں کا ذائقہ بھی چکھنے لگتا ہے.....جیسے میں..میرے ساتھ تو یہ ہوا کہ تقریباً ہر پیراگراف پڑھنے کے بعد ذہن کے اندھیرے میں پڑی ہوئی اپنی کوئی بھولی بسری یاد، یکا یک جگمگ کرتی ہوئی سامنے آتی رہی ہے۔۔۔کھٹی میٹھی یادیں۔ کے بارے میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ ان سوانحی یادوں میں اپنے بزرگوں کے لئے احترام، ہم عمروں کے محبت اور چھوٹوں کے لئے شفقت و پیار کا اظہار نہایت خلوص کے ساتھ ملتا ہے۔ اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ قریشی صاحب کو روحانیت سے بھی لگاؤ ہے۔ اپنی اس بات کے ثبوت میں ''کھٹی میٹھی یادیں'' میں سے وہ پہلا جام اٹھا لیں جس پر ''بزمِ جاں'' کا لیبل لگا ہوا ہے۔ آخری بات کے طور پر یہی کہوں گا کہ رواں دواں اندازِ تحریر نے بھی ان یادوں کو پڑھنے کے قابل بنا دیا ہے۔ حیدرقریشی نے بھی اپنی یادوں کو کھٹا اور میٹھا کرنے کے لئے الفاظ کی مٹھاس اور کھٹاس استعمال کی ہے لیکن مجھے اِن کے الفاظ میں غیروں کے لئے اور اُن لوگوں کے لئے بھی خاص طور سے جنھوں اِن کے ساتھ مناسب اور اچھا سلوک نہیں کیا تلخی اور ترشی کم ہی محسوس ہوئی ہے۔۔۔شاید لفظوں کا احترام کرنے والوں کا یہی شیوہ ہے۔

....

صفیہ صدیقی (انگلینڈ): آپ کی ''کھٹی میٹھی یادیں'' بہت پُرلطف ہیں اور میں تو ادبی دیانت داری کو بہت اہم سمجھتی ہوں۔ آپ نے جس طرح صاف صاف سب کچھ جو آپ نے محسوس کیا وہ لکھ دیا یہ آپ کی خوبی ہے۔ اسی طرح ''میری محبتیں'' بھی آپ کے جذبات اور احساسات کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ''محبت کی نمناک خوشبو'' میں آپ نے اپنی آپی کا جس طرح تذکرہ کیا ہے اسے پڑھ کر خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش میری بھی کوئی ایسی محبت کرنے والی بڑی بہن ہوتی۔ ''پسلی کی ٹیڑھ'' میں آپ نے اپنی شریکِ حیات کا جس انداز میں تذکرہ کیا ہے اس سے بے انتہا مسرت ہوئی۔ ورنہ عموماً ہمارے معاشرے میں والدین کے انتخاب کردہ شوہر بیوی میں زیادہ تر ساری عمر ''سرد جنگ'' سی جاری رہتی ہے۔ وہ شریک سفر تو ہوتے ہیں شریکِ زندگی نہیں۔

....

ڈاکٹر شفیق احمد (بہاولپور): انہوں نے اپنی بعض تحریروں

کے لیے یادنگاری کی اصطلاح وضع کی ہے اوراس میں جن موضوعات پر لکھا ہے وہ اس سے پہلے اُردو ادب میں کہیں نہیں ملتے۔ ہمارے ہاں ایک مشکل یہ بھی آ پڑی ہے کہ لوگ تخلیقی فکر کے چکر میں سچ سے دور چلے جاتے ہیں یا پھران کے سچ میں سے تخلیقی عنصر غائب ہو جاتا ہے۔ حیدرقریشی کے ہاں یہ دونوں مشکل صورتیں پیدا نہیں ہوئیں۔

....

منزہ یاسمین (بہاولپور): حیدرقریشی کی یہ خودنوشت جب کتابی شکل میں سامنے آئے گی تو ممکن ہے ترمیم و اضافہ سے یہ آج سے قدرے مختلف ہو مگر یہ بات طے ہے کہ اپنے سادہ و پرکار انداز اور گذری زندگی کی سچی کھری اور کھٹی میٹھی یادیں پڑھنے والے پر ایک بھرپور تاثر ضرور چھوڑیں گی۔ ....

ڈاکٹر لئیق صلاح (حیدرآباد دکن): ان کے خودنوشت سوانح سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان ہیں دعا مانگتے ہیں قبولیت کا یقین بھی ہے۔ اور مایوسی و ناامیدی کو کفر سمجھتے ہیں۔تصوف سے بھی واقفیت ہے۔مسئلہ جبر وقدر کے بارے میں جو تجزیہ انہوں نے کیا ہے وہ بالکل منفرد انداز کا ہے۔حیدرقریشی احساس کمتری کا شکار نہیں ہیں، کیونکہ انھوں نے جرمنی پہنچنے پر اپنے جن تاثرات اظہار کیا ہے۔ان سے بیوی کی برتری ثابت ہوتی ہے، اور یہ ان کی روشن خیالی و وسیع النظری ہے۔۔۔اس سوانح کا سب سے خاص وصف حیدرقریشی کا اسلوب ہے۔ مختلف موضوعات پر مبنی یہ سوانح ہے۔لیکن کہیں اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ قلم کی روانی میں فرق آیا ہے۔خواہ وہ مل کا حال ہو یا تعلیم و تدریس کا موضوع یا پھر کھیل کا بیان یا دیگر تذکرے۔موضوع کی مناسبت سے الفاظ کا انتخاب، طرز ادائے بیان، جن میں اضافہ کردیتا ہے۔ان کی تحریر میں بے ساختگی کے علاوہ شگفتگی بھی موجود ہے۔

....

ڈاکٹر حامد اشرف (اودگیر): حیدرصاحب نے بعنوان کھٹی میٹھی یادیں' تصنیف کے ذریعے ایک نئی صنف "یادنگاری" کی اردو میں بناڈالی ہے۔۔۔(مضامین) یہ ثابت کرتے ہیں کہ ادب مسرت زائی کا سرچشمہ ہے۔ان مضامین میں واقعات کی پیش کشی اوراسلوبِ نگارش کی شان پوشیدہ ہے' جس سے حیدرصاحب کے دل کی مخفی دھڑکنوں کا اظہار ہوتا ہے۔ ....

ڈاکٹرخورشید اقبال(ایڈیٹر' کائنات' ۲۴ پرگنہ،مغربی بنگال) یوں تو حیدرقریشی زندگی سے بھرپور ایک باغ و بہار شخصیت کا نام ہے جو اپنی غزلوں، نظموں، خاکوں، انشائیوں اور افسانوں سے جابجا جھانکتی نظر آتی ہے لیکن اس شخصیت کی جس چیز نے مجھے متاثر کیا وہ ہے اس کی بے باکی۔حیدرقریشی چاہے جس موضوع پر بھی لکھ رہے ہوں وہ کھل کر لکھتے ہیں۔اپنے جذبات کو بلا جھجھک کاغذ پر منتقل کردیتے ہیں۔خواہ اپنا ذکر کر رہے ہوں یا اپنے بزرگوں کا، وہ کچھ بھی نہیں چھپاتے اور حقیقت کو بیان کر دیتے ہیں چاہے وہ جتنی کڑوی ہو۔وہ یہ کبھی نہیں سوچتے کہ پڑھنے والا ان کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا۔حیدرقریشی کی شخصیت کا منفرد پہلو ہی ان کے فن کے منفرد پہلو کا ذمہ دار ہے۔۔۔اور وہ ہے بے باکی اور صاف گوئی۔ ....

کرشن مہیشوری (راج کوٹ): جب کبھی ہم اپنی بیتی یادوں کو اپنے ذہن میں دہراتے ہیں تو ایک عجیب احساس ذہن کو معطر کرتا ہے۔ یہی یادیں جب صفحہ قرطاس پر منتقل ہو جائیں تو کبھی اسے سوانح نگاری، تو کبھی خاکہ نگاری کا نام دیا جاتا ہے۔حیدرقریشی نے اپنی ایسی یادوں کو ''کھٹی میٹھی یادیں'' کا نام دیا ہے اور اسے یادنگاری کے زمرے میں رکھا ہے۔حیدر کی یہ یادیں پڑھ کر حیدر کے حافظہ اور اندازِ بیان پر حیرت ہوتی ہے اور داد دینے کو جی چاہتا ہے۔اکثر روزمرہ کی باتیں ہمیں یاد نہیں رہتیں۔اکثر یادیں وقت کے ساتھ مدھم نقوش بن کر رہ جاتی ہیں۔دھندلی دھندلی۔۔۔مدھم مدھم۔۔۔اور اگر واضح ہوں بھی تو انہیں حیدر کے انداز میں تحریر کرنا؟۔۔یہ بھی ایک کمال ہے۔حیدر کی کھٹی میٹھی یادیں پڑھ کر ایسا

تاثر قاری کے ذہن میں ابھرتا ہے کہ وہ اپنے ماضی سے ہمیشہ جڑے رہنا چاہتے ہیں۔وہ اپنی یادوں کے ساتھ خوش رہنا چاہتے ہیں۔ایک طرف انہیں انسانی ترقی پرخوشی ہوتی ہے تو دوسری طرف انسانی دلوں میں وقتاً فوقتاً گھٹتی محبت کا گلہ بھی ہے ------۔حیدرقریشی کی ’’کھٹی میٹھی یادیں‘‘ حکایتِ درازاورلذیذ تر ہیں۔ایسی دلکش اورفرحت بخش یادیں جو قاری کومکمل طور پر جکڑنے کے بعد ایک بار پھر مطالعہ کے لئے اکساتی ہیں۔

....

ڈاکٹر عامر سہیل (ایبٹ آباد): حیدرقریشی کا تخلیقی سفراورفکری جہات کا ذکراُن کی انشائیہ نگاری کے بغیر نامکمل ہے۔اس صنف میں اُن کی دلچسپی کا پس منظر خاصا وسیع ہے لیکن یہ طے ہے کہ اُنھوں نے اپنی نثر کی فسوں سازقوت کی بدولت بہت جلد انشائیہ نگاری میں اپنی انفرادیت منوالی تھی۔اُن کے انشائیے کتابی صورت میں طبع ہونے سے پہلے پاک و ہند کے مقتدر معاصر ادبی جرائد میں اشاعت پذیر ہوتے رہے ہیں۔بعد ازاں یہ تمام انشائیے’’فاصلے،قربتیں‘‘ کے نام سے انٹرنیٹ پرآ گئے اور پھر کچھ عرصے بعد ان تمام انشائیوں کوشعری ونثری کلیات’’ عمرِ لاحاصل کا حاصل‘‘ میں یکجا کر کے شائع کر دیا گیا۔یہ کلیات کتابی صورت میں دستیاب ہونے کے علاوہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

....

منزہ یاسمین (بہاول پور): حیدرقریشی نے اپنے انشائیوں کے ذریعے معاشرے کے ناہموار اورکمزور پہلوؤں کو بھی اپنا موضوع بنایاہے۔وہ کسی ناصح یا مصلح کی طرح پرزورتقریریں یامدلل انداز میں اپنے قاری کونصیحت نہیں کرتے بلکہ اپنے غیررسمی اور بے تکلف انداز بیاں سے معاشرے کے تلخ حقائق کواس خوبصورتی سے پیش کرتے ہیں کہ قاری کوکسی طنز کا بھی احساس نہیں ہوتا اور وہ ایک نئی سوچ کے پیش نظر اصل حقیقت تک بھی رسائی حاصل کرلیتاہے------۔حیدرقریشی کے انشائیوں میں اُن کی فکروفن سے بھرپور انفرادیت اپنی تمام تر جدت وندرت لیے موجود ہے۔وہ اپنے انشائیوں میں زندگی کے نئے پہلوؤں کو بڑی کامیابی سے سامنے لاتے ہیں۔

....

خاور اعجاز (اسلام آباد) حیدرقریشی کا فکری اورفنی سفرتقریباً تین دہائیوں پر محیط ہے۔انہوں نے اس عرصہ میں خود کو انتہائی فعال رکھا ہے۔اردوادب کی بہت سی لہروں کے ساتھ سفر کیا ہے اور بدلتے ہوئے رویوں اور دھاروں کا ساتھ دیا ہے مگر اپنے تشخص کو مجروح نہیں ہونے دیا۔یہی انداز ان کے انشائیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔اپنی ادبی اور عملی زندگی کے لمحوں کو، چاہے وہ کتنے ہی کربناک کیوں نہ رہے ہوں،انہوں نے ایک خوشگوار اسلوب میں پروکر پڑھنے والوں کے لیے سامانِ تفریح بھی مہیا کیا ہے اور لمحۂ فکریہ بھی۔اپنے لاشعور میں پرورش پاتے ہوئے کبھی مبہم اور کبھی واضح کرداروں سے انہوں نے طرح طرح کے دلچسپ پہلو نکالے ہیں اور سادہ و پرکار جذبات نگاری کے ساتھ ساتھ کردار نگاری کے انسانی پہلوؤں کو بھی خوب خوب اجاگر کیا ہے۔اپنی کیفیات کے ہمراہ قاری کی کیفیات کا بھی لحاظ رکھا ہے۔یہی وجہ ہے کہ پڑھنے والا بھی ان کے تاثرات کوقبول کرتا چلا جاتا ہے اوراسی کشتی میں بہنے لگتا ہے جس میں خود مصنف سوار ہے۔اس طرح ان کے انشائیوں کا مطالعہ ایک رسمی مطالعہ نہیں رہا بلکہ حیدرقریشی کے ذہنی اور ادبی ارتقاء پر اثر انداز ہونے والے عوامل کا مطالعہ بھی بن گیا ہے۔

حیدرقریشی کے انشائیوں میں ان کی ذاتی زندگی کی جھلکیاں ان کی فتوحات اورشکستوں کے ساتھ موجود ہیں جوان کے انشائیوں میں کہیں خاکہ نگاری کا رنگ بکھیر دیتی ہیں اور کہیں یادنگاری کا،مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ ان ساری کیفیات کے پردے سے ایک انشائیہ ابھار لینے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ان کے انشائیوں میں انکساری اور عاجزی بھی نظر آتی ہے لیکن ان دوخوردبینوں کے ذریعے انہوں نے اپنے اردگرد کے چھوٹے چھوٹے اور معمولی واقعات کو Magnify کر کے

دکھایا ہے،اس طرح سے کہ ان کے سامنے خود ان کی انکساری اور عاجزی بڑی دکھائی دینے لگتی ہے۔حیدر قریشی ان لوگوں میں سے ہیں جنہیں اپنی صلاحیتوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور جو یہ بھی جانتے ہوتے ہیں کہ انہیں کس شعبہء ادب کا انتخاب کرنا ہے اور کب کرنا ہے۔انشائیہ کے حوالے سے انہوں نے جو کام کیا ہے وہ اس صنف میں چند قابلِ قدر انشائیوں کے اضافے سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔حیدر قریشی کی انشائیہ نگاری کی صلاحیتوں کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے دوسرے انشائیہ نگاروں سے ہٹ کر موضوعات کا انتخاب کیا ہے اور پھر موضوع کے اعتبار سے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جو عام قاری کی نظر میں نہیں آ سکتے۔ایک اچھے انشائیہ نگار کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وہ ان اشیاء، مظاہر اور ان کے چھپے ہوئے گوشوں کو سامنے لائے جو بآسانی دکھائی نہ دے سکتے ہوں۔حیدر قریشی کی انفرادیت کا ثبوت ان کے زاویہء نگاہ میں مضمر ہے جو یہ واضح کرتا ہے کہ بیشتر نظر آنے والی چیزیں ویسی نہیں ہوتیں جیسی دکھائی دیتی ہیں بلکہ بعض اوقات متضاد اور انتہائی مختلف بھی ہو سکتی ہیں۔حیدر قریشی بعض پیچیدگیوں کو اس فنکارانہ مہارت سے پیش کرتے ہیں کہ فلسفہ اور نفسیات کی گتھیاں کھلتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں۔۔۔۔۔

حیدر قریشی کے انشائیوں میں حیرت آمیز تجسس کی فضاء ہمیشہ موجود رہتی ہے اور پڑھنے والا ایک چوٹی یا عروج سے گزر کر نئی چوٹی کے نظارے میں گم ہو جاتا ہے۔اگرچہ ایک خاص موڑ پر انشائیہ کا اختتام پذیر ہو جانا کوئی نئی بات نہیں رہی لیکن حیدر قریشی اب بھی اپنے انشائیوں کو ایک خوبصورت موڑ دے کر ختم کرنے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں جیسے ستارہ ٹوٹتے ہوئے خوب روشنی دیتا ہے۔حیدر قریشی کے بیشتر انشائیوں کے اختتام پر دور تک جاتی ہوئی فکر کی ایک لہر مجھے اسی روشنی کے مترادف دکھائی دیتی ہے جس کے ہمراہ آپ ان سمتوں میں نکل سکتے ہیں جس طرف مصنف کا وجدان آپ کی رہنمائی کرتا ہے۔

....

ڈاکٹر نذر خلیق (اسلام آباد) ان چند انشائیوں کے تعارف سے جہاں حیدر قریشی کے ذہنی میلان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی انشائیہ نگاری غزل کی ریزہ خیالی کے اثر سے چھک کر ان کی تخلیقی نثر میں ان کی پہچان بن گئی ہے۔ ان کے گنتی کے دس انشائیے اپنی ادبی اہمیت کے لحاظ سے اتنے اہم ہیں کہ اگر کوئی نقاد بہت زیادہ بد دیانتی کا مرتکب نہ ہو تو انہیں نظر انداز نہیں کر سکے گا۔

....

ڈاکٹرمحمد وسیم انجم (راولپنڈی) : حیدر قریشی اردو ادب کا سرمایہ ہیں،جنہوں نے بیشتر اصناف میں اپنی قلمی برتری کا لوہا منوالیا ہے۔انہوں نے بحیثیت انشائیہ نگار ایسے انشائیے تخلیق کیے ہیں جن میں اختصار،شگفتگی،اسلوب اور انکشاف ذات کے داخلی ،خارجی ہئیتی عوامل شامل ہیں۔

انشائیہ نگار اپنے جذبات واحساسات کا اظہار انشائیے کے مزاج کے مطابق بڑے تجربے سے کرتے ہیں۔۔حیدر قریشی کے انشائیوں میں ذاتی مشاہدات اور تاثرات نمایاں ہیں اور ان کے اسلوب میں شعریت کا عنصر غالب ہے جس کی لطافت اور تہذیب الفاظ کا معیار فنی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔آپ شعور اور تحت الشعور کی ایسی سرحد پر تہذیب و ثقافت کی زبان استعمال کرتے ہیں جو تمام بنی نوع انسان کا مشترکہ ورثہ ہے۔حیدر قریشی کے بکھرے ہوئے مطبوعہ انشائیوں کا ورثہ اب کتابی صورت میں ’’فاصلے،قربتیں‘‘ کے نام سے منظرِ عام پر ہے۔جنہیں انشائیہ نگاری کے سلسلے میں بہ نظرِ استحسان دیکھا جائے گا۔انشاءاللہ۔

....

فیصل عظیم (امریکہ): حیدر قریشی صاحب کی نثر کے کئی پہلو ہیں‘ مجھے ذاتی طور پر ان کے کالم بہت پسند ہیں کیونکہ حالاتِ حاضرہ‘ معاشرے اور خود اپنی شکست وریخت اور اس پر پوری توانائی سے گفتگو اور سوچ بچار ان کی طرح میرا بھی موضوع ہے جبکہ وہ قدروں کے پیغمبر بھی

ہیں اور عامل بھی۔ان کے انشائیے محض لایعنی اشیا کو ادب میں خوبصورتی سے جگہ دینے اور یوں اپنی خلاقانہ صلاحیتوں کو منوانے پر ختم نہیں ہوتے بلکہ ان سے متعلق معاشرے کے اصل مسائل اور موضوعات انشائیوں میں حلول کیے ہوتے ہیں جن پر مضمون یا مزاح لکھنا آسان ہوتا ہے مگر انشائیہ لکھنا اور اس ''غیر ہضم شدہ'' صنف میں اپنا پیغام پہنچا دینا آسان نہیں ہوتا۔ان کے انشائیوں کی یہ خوبی قابلِ ستائش ہے اور ان میں چھپا خفیف تبسم انشائیے کا تحفۂ خاص۔..........

افتخار امام صدیقی (ایڈیٹر ماہنامہ 'شاعر' بمبئی): ''سوئے حجاز''میرے لئے ایک انمول تحفہ ہے۔یوں لگا گویا میں آپ دونوں کے ساتھ سفر کر رہا ہوں۔مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کے سارے متبرک مناظر اور شب و روز مجھے یاد آئے۔..........

ڈاکٹر نذر خلیق (اسلام آباد): سوئے حجاز کی فکری اور ادبی سطح کے علاوہ بھی اور کئی سطحیں ہیں جن کا اس مختصر مضمون میں احاطہ کرنا مشکل ہے تاہم یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حیدر قریشی کا یہ سفرنامہ عصر حاضر کے بیشتر سفرناموں میں منفرد مقام رکھتا ہے۔

....

محمد یونس خان (سرگودھا): پارسل کی ڈوری کیا کھولی کہ محبت کی ڈوری سے بندھ گیا۔سوئے حجاز فوراً پڑھنا شروع کی۔دونشستوں میں عمرے کا سفرنامہ ختم کیا ایک افطاری سے پہلے اور دوسری افطاری کے بعد۔آج حج کا سفرنامہ پڑھ کے ختم کیا ہے اور نیٹ پر آ گیا ہوں۔سارا سفرنامہ دردمندی اور عقیدت سے لکھا گیا ہے۔بلاوجہ کسی کو جذباتی نہیں کیا۔بات سادگی سے کہہ دی ہے۔سفرنامے کو انتہائی مختصر رکھا گیا ہے، شاید یہی اس کی خوبصورتی بھی ہے کہ بات کو زیادہ پھیلایا نہیں گیا۔ایک بات زیادہ خوبصورت لگی کہ سفرنامہ ہیٹرس ہائم سے شروع ہوتا ہے پاکستان سے نہیں۔ ....

منزہ یاسمین (بہاول پور): سفرنامہ ''سوئے حجاز'' جہاں حیدر قریشی کے احساسات اور خیالات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے، وہاں اپنے قارئین کے لیے نہایت اہم تاریخی اور مذہبی معلومات کا خزینہ بھی ہے۔

....

احمد سہیل (امریکہ) ۲۳/اپریل ۲۰۰۲ء
Just visited your website and it is very interesting and has a lot information about your life,creative and critical work.I have always read your writings and it is an inspiration in my work.

....

جمیل زبیری (کراچی): میں نے آپ کو کہاں کہاں نہ ڈھونڈا۔ کس کس سے نہ پوچھا۔متعدد خطوط ایبٹ آباد لکھے مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ آخر قسمت نے یاوری کی اور سعید شباب سے ملاقات ہوگئی۔ان سے پتہ چلا کہ آپ اس دوزخ سے نکل کر جا چکے ہیں۔مگر آپ نے غضب یہ کیا کہ وہاں پہنچ کر مجھے بالکل ہی فراموش کر دیا۔بہرحال میں آپ کو یاد کرتا رہتا ہوں اور جب میں نے ریڈیو کی یادداشتیں مرتب کیں آپ کی محبتوں کا ذکر لکھا اور بہت جی چاہا کہ کتاب آپ تک پہنچے۔کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔بہرحال پھر سعید صاحب کام آئے۔

....

افتخار عارف (اسلام آباد): جرمنی میں رہنے کے باوجود پاکستانی ادبی حلقوں سے اور نامور تخلیقی شخصیتوں سے ان کے روابط انتہائی مستحکم رہے۔خوش گوار بات یہ ہے کہ انھوں نے تعصّبات سے بالاتر ہو کر ہر فکر و نظر کے ادیبوں سے تعلقات استوار رکھے اور ان کی خدمات سے استفادہ کیا۔گروہ بندی کے اس دور میں حیدر قریشی کی فراخ دلی ایک مثالی حیثیت رکھتی ہے۔اپنے نظریے پر قائم رہنے اور دوسروں کے نظریے کا احترام کرنا ہمیشہ ان کے پیش نظر رہا۔جرمنی میں اردو حلقوں کے علاوہ انھوں نے مقامی جرمن آبادی میں بھی اردو زبان و ادب کو متعارف کرانے میں بڑا کردار ادا کیا اور اب ایک ایسا حلقہ مقامی باشندوں کا ہے

ہے جو ہماری زبان اور ادب سے کسی حد تک آ گاہی رکھتا ہے۔اداروں کے کرنے کا یہ کام ''جدید ادب'' کے ذریعے حیدرقریشی نے سرانجام دیا جس کے لیےہمیں ان کا شکرگزار ہونا چاہیے۔

مھرین (جرمنی): ٹیبلٹ کو دھمکانے،بھیڑوں کی ٹانگیں گن کر چار پر تقسیم کرنے سے لے کر مجھے دی گئی دعاؤں تک بہت دلچسپ آرٹیکل ہے۔پڑھتے ہوئے لبوں پرمسکراہٹ بھی آئی اور اور جذباتی صورتِ حال سے گزرتے ہوئے آنکھیں بھی بھیگیں۔اتنا میرا کنٹری بیوشن نہیں جتنی عزت آپ سے ملی۔اس کے لیے شکرگزار ہوں۔

آپ کا آرٹیکل پڑھ کر آج سناٹے اور خاموشی کا فرق جانا۔بے شک آپ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔اردو سے محبت کرنے والوں کی خیر ہو۔

ادب کی خوشبو پھیلانے کے لیے''ادبی بیٹھک''ایک بہترین پلیٹ فارم ہے۔بہت خوب۔۔۔ایک تو آپ کے تایاجان کی کہانی ویسے ہی دلچسپ اور مزیدار ہے اوپر سے آپ نے جس خوبصورتی سے اسے قلم بند کیا ہے،گویا لفظوں پر پھول پتیاں کاڑھ دی ہیں۔آپ کے خوبصورت اندازِ بیاں نے اس قصے کو چار چاند لگا دیے۔واقعی سنتے ہوئے بے حد لطف آیا۔

اکثر آپ کہیں نہ کہیں میرا ذکر کرتے ہیں۔یہ میرے لیے بہت آنر کی بات ہے، میں تہہ دل سے آپ کی شکرگزار ہوں کہ آپ یاد رکھتے ہیں۔

سب سے اچھی بات کالم میں مجھے یہ لگی کہ اب آپ بننے سنورنے لگے ہیں،خود کو ٹائم دینے لگے ہیں۔پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔جس دن آپ بیٹھک میں شال اوڑھ کر بیٹھے تھے اس دن تو میں نے بھی دل ہی دل میں بہت تعریف کی تھی۔

مسعود منور (ناروے): آپ کی ساری غزلیں پڑھ لی ہیں۔ابھی تک نشے میں ہوں۔زندہ باد!۔

مسعود منور (ناروے): آپ کی کہانیوں سے مجھے کوئی بیتی خوشبو آئی ہے۔ٹھہریئے میں اگر جلا لوں---- میں اگر جلا آیا ہوں اور خوشبو میں بھیگتے ہوئے یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔مجھے آپ کا کہانی بننے کا ڈھنگ نویکلا لگا ہے"۔

ڈاکٹر رؤف خیر (حیدرآباد،دکن): آپ نے بڑی مشکل زمین میں خوب غزل کہی ہے۔شروع،وقوع،رکوع،خشوع وخضوع وغیرہ جیسے قوافی کو صحیح طور پر باندھنا بجائے خود سخن وری ہی نہیں،ہنروری بھی ہے۔آپ نے جو کہا ہے''سلام پھیر لیا ہے رکوع سے پہلے''پوری غزل کی جان ہے۔

ماشاءاللہ''برق رفتار زمانہ''میں آپ نے اپنے ادبی معاملات کے ساتھ ساتھ طبیعات کے تعملات اور مزید امکانات پر بڑی سیر حاصل گفتگو فرمائی اور پھر آپ کے ذاتی تجربات،ملکِ عدم اور مراجعت کے فیصلے کے شکرانے کے طور پر پُنر جنم ، یہ ایسے علمی مکاشفات ہیں کہ ادب اور سائنس میں یکساں درک رکھنے پر آپ کی علمیت قابلِ رشک ہے۔اللہ آپ کو سلامت رکھے۔

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان (پشاور):

ہمارے برخوردار حیدرقریشی۔۔۔میں انہیں مغربی دنیا میں اردو کا سب سے بڑا ادیب مانتا ہوں اور ان کی صلاحیتوں کے سامنے اپنی ہیچ مدانی کا اعتراف کرتا ہوں ۔حیدر،ون مین ادبی رائٹنگ کی انڈسٹری ہیں۔پورا رسالہ کمپیوٹر پر ہی بیٹھ کر مرتب کرتے ہیں۔۔میرے برخوردار ہیں۔مجھ سے عمر میں دس برس کم،لیکن کام وصلاحیت میں سو سال بڑے۔

یعقوب نظامی (بریڈفورڈ،یوکے): آپ کے خاندانی روحانی تجربات بہت ہی دلچسپ ہیں۔دادا جان اللہ رکھا قریشی اور اللہ رکھا کمہار کا واقعہ حیرت انگیز ہے۔یہ سچ ہے کہ موت کا دن مقرر ہے،لیکن آپ کے دادا جان کو غسل دینے اور کفن پہنائے جانے کے باوجود اسی دنیا میں مزید زندگی گزارنے کا موقعہ ملا اور پھر آپ کے والدِ گرامی کا واقعہ جنھوں نے روشنی میں بزرگوں کو دیکھا،کرامات کو ظاہر کرتی ہے۔۔۔آپ کی بیماری اور روحانیت یقیناً ایک کڑی ہے اور آپ نے دیانتداری کے ساتھ اپنے تجربات کو بیان کیا ہے۔

اکبر حمیدی (اسلام آباد): میری رائے میں حیدرقریشی کا یہ سفرنامہ اردو میں لکھے ہوئے حج کے سفرناموں میں ایک بہت نمایاں اور ممتاز مقام کا حامل ہے اور سفرناموں کے ضمن میں ایک قیمتی اضافہ جو آئندہ چل کر بہت سے نقطہ ہائے نظر سے تاریخی حوالہ جات کا کام دے گا ۔۔۔۔حیدرقریشی کا سفرنامہ ''سوئے حجاز'' پڑھتے ہوئے اس موضوع کا کوئی بھی سفرنامہ یادنہیں آتا۔اس کی وجہ حیدرقریشی کا منفرد اندازِفکر اور منفرد اسلوبِ تحریر ہے۔حیدرقریشی کا یہ امتیاز بہت نمایاں ہے کہ وہ قاری کی تمام تر توجہ اپنی جانب اس طور باندھ رکھتا ہے کہ پڑھنے والے کو کہیں اِدھر اُدھر کی نہ تو فرصت ملتی ہے اور نہ ہی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔وہ حیدرقریشی کے تخلیقی سحر میں سرتاپا شرابور ہوتا چلا جاتا ہے۔

....

اکبر حمیدی (اسلام آباد): جب کسی شاعر کا پہلا مجموعہ شائع ہوتا ہے تو یہ واقعہ اس کے لئے خطرناک بھی ہوسکتا ہے وجہ یہ ہے کہ پہلا مجموعہ کلام یا تو شاعر کو زندہ کر دیتا ہے یا پھر اسے مار دیتا ہے۔ایسے کئی شاعر ہیں جو اپنا پہلا مجموعہ چھپنے تک اچھے بھلے شاعر تھے مگر جیسے ہی مجموعہ شائع ہوا ان کا جادو ٹوٹ گیا۔کیونکہ دو چار پانچ غزلیں تو اچھی ہوسکتی ہیں مگر کتاب کے لئے بڑی تعداد میں اچھی غزلوں یا کم سے کم اچھے شعروں کا ہونا ضروری ہے۔۔۔۔حیدرقریشی کی غزل ایک صاحبِ حال شاعر کی غزل ہے۔اس کے پاس سچے تجربے ہیں۔زندہ جذبے ہیں اور اپنی بات کہہ دینے کی ہمت ہے، بلکہ ان باتوں سے بڑھ کر یہ کہ اسے فنِ شعر پر گرفت حاصل ہے۔اس کے جذبے اظہار کی مشقت کے ہاتھوں مارے نہیں جاتے بلکہ پوری تازگی کے ساتھ شعر کا روپ دھارتے ہیں اور کہیں مجروح نہیں ہوتے۔تخلیقی عمل ان کا رس نچوڑ نہیں دیتا جیسا کہ ہمارے زمانے میں بعض شاعروں کے ساتھ ہو رہا ہے، بلکہ تخلیقی عمل حیدرقریشی کے جذبوں کی آنچ کو تیز کر دیتا ہے، اس کی کیفیت کو دو چند کر دیتا ہے۔ ۔۔۔۔غزل میں اس کا کام لب سوز۔لب دوز کی حدود تک پہنچا ہوا ہے۔اس کے اوپر جا کر ذہن کے پھیلاؤ کا کام بھی کرتا ہے۔میرا خیال ہے اگر وہ اپنی غزل کا انتخاب چھپوا دے تو بڑے بڑوں کے چراغ بجھ جائیں۔میں نے ہمیشہ اُسے غزل پر زیادہ توجہ دینے کو کہا ہے کہ مَیں اسکی غزلوں کے پس منظروں کو ذاتی طور پر جانتا ہوں۔۔۔مَیں نے اس کی لگتی بھی دیکھی ہے اور ٹوٹتی بھی۔پھر ٹوٹنے میں ''تڑک'' کی آواز بھی سُنی ہے اسکی غزل ''میری لگدی کسے نہ ویکھی۔تے ٹُٹ دی نوں جگ جان دا۔'' کی آواز ہے۔اس کی غزل کی اس ''ٹوٹتی ہوئی'' کو بھی زمانہ سنے گا اور اس سننے میں وہ سب کچھ دیکھ بھی لے گا۔

....

اکبر حمیدی (اسلام آباد): حیدرقریشی کے اردو ماہیے پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ اس نے اس صنف کے مزاج کو پہچانا ہے' جانا ہے۔اپنے اندر اس صنف کو اتارا ہے۔اس کے بعض ماہیے تو ایسے ہیں جن کی مثال اردو ماہیا تو کیا پنجابی ماہیا میں بھی مشکل ہی سے ملے گی۔انہیں پڑھ کر انسان اداس ہو جاتا ہے اور اس کے دل و دماغ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

....

نسیم سیفی (ربوہ) ''سلگتے خواب'' پاکر خوشی ہوئی۔آپ نے تو یہ تحفہ ۹۱۔۱۱۔۱۷ کو بھیجا تھا مجھے ۹۲۔۲۔۱۳ کو ملا۔لیکن جلد شکریہ اس لئے نہ روانہ کر سکا کہ اس عرصہ میں دو تین دفعہ مقدمات کے سلسلہ میں کراچی جانا پڑا اور وہاں دس دس بارہ بارہ دن قیام کرنا پڑا۔آپ نہ جانے کیا سوچتے ہوں گے؟۔کیا آپ کو الفضل دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے؟ ربوہ کب آنے کا پروگرام ہے؟ آئیں تو مجھ سے ضرور ملیں۔

....

ڈاکٹر عبدالرب استاد (گلبرگہ یونیورسٹی): حیدرقریشی ایک ہمہ جہت فنکار ہیں، وہ غزل کو بھی ہیں اور نظم گو بھی، اس طرح ماہیا بڑی چابکدستی سے کہہ دیتے ہیں۔۔۔حیدرقریشی کے ماہیوں کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے یہاں تشبیہیں انوکھی اور اصلیت پر مبنی ہیں۔مناسبات لفظی اور تلمیحات کا برمحل استعمال ہے۔سادگی انتہا کی

ہے۔ان میں جوش بھرا ہوا ہے جو پڑھنے والے کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کا ہنر رکھتا ہے۔ ▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

ڈاکٹر عبدالرب استاد (گلبرگہ):

حیدرقریشی کی ایک کتاب جوان کے دس انشائیوں پر مشتمل ہے۔''فاصلے قربتیں'' کے عنوان سے منظر عام پر آئی۔ اس میں انہوں نے جن عنوانات کے تحت انشائیہ لکھے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں، خاموشی، نقاب، وگ، فاصلے قربتیں، بڑھاپے کی حمایت میں، اطاعت گزاری، یہ خیر وشر کے سلسلے، چشم تصور، اپنا اپنا سچ، اور تجربہ کاری ہیں۔ان تمام دس انشائیوں میں انہوں نے مختلف کیفیات، زمانے کے نشیب وفراز، سیاسی حالات اور سماجی نیرنگیوں کا ذکر کیا ہے۔ان انشائیوں میں تحریر چست اور برجستہ ہے اور ساتھ ہی فقروں کی چستگی نے ایک شگفتگی کو عیاں کر دیا ہے۔عموما انشائیوں میں اقوال زرین کی تلاش ہوتی ہے۔تاہم میری نظر میں انہیں اقوال زرین کی بجائے فقرہ ہائے بذلہ سنجی سے تعبیر کرنا چاہئے۔ جو انگریزی کے Wit & Wisdom کی طرز پر ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

حیدرقریشی کے بعض فقرے یا چست اقوال جنھیں میں اقوال زرین کی بجائے فقرہ ہائے بذلہ سنجی سے تعبیر کروں گا، جو نہ صرف بڑے چست ہیں بلکہ معنی کا ایک سمندر سمیٹے ہوئے ہیں۔۔۔۔۔غرض حیدرقریشی کے انشائیہ جہاں ہمارے ذہن کو تازگی، فرحت اور شگفتگی عطا کرتے ہیں وہیں دعوت غور وفکر بھی دیتے ہیں اور ہمارے ذوق ووجدان کو مہمیز بھی کرتے ہیں۔▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

ڈاکٹر پرویز پروازی (سویڈن)

پیارے حیدرقریشی--- السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابھی فون پر بات ہوئی۔الحمد للہ کہ تمہاری آواز سننے کو ملی۔

اے دوست کسی ہمدم دیرینہ کا ملنا وغیرہ وغیرہ۔اکبر حمیدی کی کتاب "قد آدم "ملی تھی۔اس کی رسید میں میں نے جو خط لکھا اس میں تمہارے بارے میں پوچھا۔جواب ندارد۔آغا صاحب سے پوچھا کل پرسوں ان کا خط آیا۔اس میں لکھا تھا کہ "امید ہے آپ کا حیدرقریشی سے رابطہ ہو گیا ہوگا"۔میں نے فوراً ڈاکٹر منیر الدین احمد سے پوچھا اس نے بتایا کہ وہ بھی اصلاً لاعلم ہے مگر بھارت کے کسی رسالہ میں تمہاری غزل ہے اس کے ساتھ تمہارا پتہ ہے۔وہ پتہ ملا تو بھائی عطاء اللہ کلیم کو فون کیا۔وہ تو تشریف نہیں رکھتے تھے۔ وہاں اتفاق سے میرا کوئی شاگرد بیٹھا تھا۔اس نے Hattersheim کے صدر جماعت سے رابطہ کیا۔کوئی محمود انور صاحب ہیں۔ان سے تمہارا فون نمبر مل گیا---یہ روداد محض رعب ڈالنے کے لئے لکھ رہا ہوں ورنہ دوستوں کی تلاش میں ہم صحرائے گوبی بھی چھاننے کو تیار ہیں!(جرمنی کو Karautland یعنی گوبھی خوروں کا ملک کہتے ہیں)

میں ٹھیک ہوں، دوسال پہلے دل کا بائی پاس ہوا تھا۔اب مرمت شدہ دل کے ساتھ زندہ ہوں۔دسمبر میں نانا بنا تھا اب مارچ میں دادا بھی بن گیا ہوں۔الحمد للہ۔بڑا بیٹا اور بیٹی کینیڈا میں ہیں۔چھوٹا بیٹا انڈونیشیا میں ہے۔دو بیٹیاں میرے پاس ہیں۔بیوی آج کل ساس کے فرائض ادا کرنے کے لئے کینیڈا گئی ہوئی ہے۔امید ہے اس مہینہ کے آخر تک واپس آجائے گی۔اب اپنی روداد عشق بیان کرو! کونسی وادی میں ہے ،کونسی منزل میں ہے عشق بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں!

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

راجہ محمد یوسف خان (جرمنی): راجہ محمد یوسف خان نے حیدرقریشی کے ساتھ اپنے تیس برسوں پر پھیلے ہوئے ذاتی مراسم کا ذکر کیا اوران کے بعض امتیازی اوصاف کو بیان کیا۔ان کے نزدیک حیدرقریشی امن پسند اور صلح جو انسان ہیں۔جھگڑوں سے حتی المقدور دور رہتے ہیں لیکن اگر انہیں لڑنے پر مجبور کر دیا جائے تو پھر وہ ان ادبی مجرموں کو ان کے انجام تک پہنچا کر رہتے ہیں۔انہوں نے اس سلسلہ میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے سرقات کا ذکر کرتے ہوئے حیدرقریشی کی معرکتہ الآرائیوں کو بیان کیا۔''ستیہ پال آنند کی بودنی نابودنی'' کا بھی چرچا ہوا۔

(11.12.22 کو حیدرقریشی کے ساتھ ہوئی تقریب کی مطبوعہ روداد)

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

عبدالکریم قدسی (امریکہ): آج 30 اکتوبر، بروز اتوار، صبح سات بجے، ایک خواب کی روئیداد۔۔۔۔۔۔۔چار گھنٹے میں خواب

کی کڑیاں ملانے کی کوشش کرتا رہا۔نہ آپ سے شناسائی، نہ خواب میں کوئی خوشخبری نہ انذار کا کوئی پہلو، کوئی سراہاتھ نہ آیا۔آپ کو خواب بھیجنے میں بھی تردد تھا تاہم یہی فیصلہ کیا کہ آپ کو بھیجی جائے۔کم ازکم یہ تو ہے کہ ہزاروں میل دور ایک اجنبی عبدالکریم قدسی ایک اَن دیکھے دوست حیدر قریشی کو خواب ہی میں سہی ملتا تو ہے۔۔۔۔**آپ کا عبدالکریم قدسی**''

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

زکریا ورک (کینیڈا): حیدر قریشی نے غزل، نظم، افسانہ، انشائیہ، خاکہ، آپ بیتی، تنقید، تحقیق میں طبع آزمائی کی ہے۔ماہیے کے ضمن میں ان کی خدمات اس قدر زیادہ ہیں کہ ماہیے کے ساتھ ان کا نام اسی طرح جڑا ہوا ہے جس طرح مثنوی کا مولانا روم کے ساتھ۔

حیدر قریشی کا کہنا ہے کہ جب تک ان کو اندر اور باہر سے لکھنے کی تحریک نہیں ہوتی اس وقت تک نہیں لکھتا۔مختلف اصناف میں لکھنے کے عمل کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ جو اصناف میرے مزاج کے قریب تھیں میں نے ان میں تخلیقی کام کیا۔حیدر قریشی نہ صرف شاعر، افسانہ نگار، محقق، نقاد، انشائیہ، سفرنامہ نگار ہیں، بلکہ سیاسی کالم نگاری میں بھی طبع آزمائی کر چکے ہیں۔ دن رات لکھنے میں مصروف رہنے والے ادیب کی زندگی پر ایک نظر سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کی اپنی ذاتی زندگی کوئی نہیں بلکہ صرف ادبی زندگی ہے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

نصر ملک (ڈنمارک):

جرمنی میں مقیم اردو ادب کی منفرد و بے مثال شخصیت، حیدر قریشی ہمارے عہد کے وہ ادیب و شاعر اور نقاد و محقق ہیں کہ جنہیں مشرق و مغرب میں اردو ادب کا ایک باقاعدہ انسٹی ٹیوٹ کہا جانا چاہیے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

محمد اکرم (امریکہ): حیدر قریشی سے غائبانہ تعارف اس دور میں ہوا جب'' بالمشافہ'' تعلق کسی بلائے ناگہانی کو دعوت دینے کا باعث بن سکتا تھا - بلا کوئی اتنی ناگہانی بھی نہیں بلکہ کسی مارنے والے بیل کی طرح 'قابل دید' بھی تھی-اس تعارف میں حیدر قریشی کی شخصیت کا غالب پہلو اس کی'' مومنانہ شان'' تھی - وہ والی مومنانہ شان جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن - بعدازاں متعدد معرکہ آرائیوں کے تذکرے سننے اور پڑھنے کے بعد یہ حسن ظن مزید مستحکم ہوا۔

مار دھاڑ سے بھرپور اس منظرنامے سے باطن میں چھپے کسی'' چھوٹے سے مومن بچے'' کی آنکھوں میں تراوت تو ضرور پیدا ہوتی لیکن دل کو اس '' آہنی ہاتھ'' کے پیچھے موجود حلقہء یاراں میں بریشم کی طرح نرم شخصیت کی موجودگی کا یقین بھی رہا اور جستجو بھی - چند ماہ قبل جب'' عمرلا حاصل کا حاصل'' پڑھنے کا موقع ملا تو لطیف تر حسیات رکھنے والے اس منکسر المزاج اور رقیق القلب شخص سے ملاقات ہوئی تو لطف دو آتشہ ہو گیا -آج مدرز ڈے کے حوالے سے حیدر قریشی کی تحریر پڑھ کر مجھے اپنی ماں یاد آ گئی اور ایک ایک لفظ کے ساتھ جہاں حیدر قریشی کی امی جی کو تصور (ویژولائز) کرتا رہا وہیں اپنی امی جی کا چہرہ آنکھوں کے سامنے لا کر اشکبار ہوتا رہا- ماؤں کے سانجھا ہونے کا ایک یہ مفہوم بھی تو ہے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

محمد اکرم (امریکہ):'' آپ کے پانچ افسانے پڑھے ہیں۔کیا بات ہے۔ بتا نہیں سکتا کہ کیسا لطف آیا۔ بلا مبالغہ بار بار ایسا محسوس ہوا کہ کسی کیفیت نے میرے پورے جسم کو اپنی گرفت میں لیا ہوا ہے۔افسانہ ختم ہونے پر بھی یہ گرفت ختم نہیں ہوئی۔''**(ای میل بنام حیدر قریشی)**

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

سہیل اقبال (کینیڈا): حیدر قریشی صاحب کی ادبی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔آپ جس طرح شب و روز ادب کی خدمت کر رہے ہیں اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔مزید جو ادبی سلسلہ'' ادبی بیٹھک'' کے نام سے یوٹیوب اور ٹک ٹاک پر شروع کیا ہے، نہایت عمدہ ادبی سلسلہ ہے۔آنے والے وقت میں اگلی نسلیں بھی اس سے استفادہ کریں گی ۔ یہ ایک ادبی خزانہ تیار ہو رہا ہے جو یقیناً قابلِ ستائش اور فخر کی بات ہے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

جمیل الرحمن (انگلینڈ): (روشن نقطہ) اپنی نوعیت کا بہت خوبصورت اور حیدر قریشی صاحب کی مخصوص چھاپ لگا افسانہ ہے۔ میرے محدود علم کے مطابق اس رنگ میں ابھی تک حیدر صاحب سے اچھا افسانہ کسی نے نہیں لکھا۔تصوف اور روحانی واردات کا حسین امتزاج۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

سعید انجم (ناروے): خاکوں پر مشتمل آپ کی کتاب **میری محبتیں** مجھے ملی۔اس عنائت کے لئے آپ کا بہت بہت شکریہ!۔**روشنی کی بشارت** کے افسانے پڑھنے کے بعد آپ کے ساتھ جو تعارف ہوا تھا' اس کتاب کے مطالعہ کے بعد اس نے ایک اور منزل طے کر لی ہے۔آپ سے شناسائی کی سمت ''میری محبتیں'' ایک دلگداز پھاٹک کی مانند ہے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

منوراحمد کنڈے (انگلینڈ): آپ کا نہایت وقیع اور تعارفی مضمون پڑھنے کی سعادت ملی۔کہنا چاہیے کہ یہ صرف تعارف نہیں بلکہ آپ کی نصف صدی پر محیط علمی و ادبی خدمات کا ایک آئینہ ہے جسے سمجھنے اور جذب کرنے میں واقعی وقت درکار ہے۔مجھے بھی اس پورے تعارفی سفر کو پڑھنے میں تقریباً آدھا گھنٹہ لگا اور اس کے بعد دل کی گہرائیوں سے آپ کی عظمت کا اعتراف لازم محسوس ہوا۔

اردو شاعری،نثر،تحقیق،تنقید،سفرنامہ،خاکہ نگاری اور خاص طور پر ماہیا کے فروغ میں آپ کی کاوشیں اردو ادب کی تاریخ کا ایک مستقل باب ہیں۔آپ نے جس خلوص اور استقامت کے ساتھ اردو زبان کے فروغ کے لیے اپنی زندگی وقف کی ہے وہ لائقِ تحسین اور باعثِ فخر ہے۔جرمنی میں مقیم ہونا اور اردو ادب کی شمع کو ہمیشہ روشن رکھنا اور دنیا بھر میں اردو کے قارئین اور ناقدین تک اپنی تحریروں کے ذریعے رسائی حاصل کرنا آپ کے اخلاص اور ادبی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

آپ کی تحریروں میں سچائی،محبت،خاندانی رشتوں کی خوشبو اور فکر کی گہرائی جھلکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ جامعات میں آپ پر ہونے والے متعدد تحقیقی مقالے آپ کے علمی کام کو مزید اجاگر کرتے ہیں۔آپ نہ صرف ادیب ہیں بلکہ اردو ادب کے ایک ایسے معتبر نمائندہ ہیں جنہیں حقیقی معنوں میں ''جرمنی میں پاکستان کے ادبی وتہذیبی سفیر'' کہنا چاہیے۔

میں دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اپنا یہ وقیع تعارفی مضمون میرے مطالعے کے لیے ارسال فرمایا۔یہ نہ صرف میرے لیے باعثِ مسرت ہے بلکہ میرے علم میں اضافہ بھی ہے۔اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وتندرستی عطا فرمائے اور اردو ادب کی خدمت کے سفر کو مزید ثمر آور کرے۔ادب کے دیوانوں کے دلوں میں آپ کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

کولمبس خان (جرمنی):

آپ کی کتاب کے مطالعے سے اپنے اور بعض دوسرے احباب کے اس سے قدرے ملتے جلتے تجربات پر گفتگو تو ہوتی رہی ہے لیکن جس مدلل انداز سے آپ نے اس کے سائینسی پہلوؤں کو سامنے رکھ کر شعوری کیفیت کو قائم رکھتے ہوئے اپنے حواس خمسہ کو کسی چھٹی یا ساتویں حس کے حوالے کر کے ریکارڈ کیا ہے یہ پہلی بار میرے علم میں آیا ہے۔اگرچہ اس سے پیشتر میں نے **Near Death Experience** کا کسی قدر مطالعہ تو کیا ہے لیکن میرے لئے آپ کی گواہی میں جو ثقاہت ہے وہ ایک یقینی علم کا باعث ہے۔▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

میر مبشر احمد (اسلام آباد): جس خوبصورتی سے آپ نے خود پر گزرنے والی کیفیات کو بیان کرتے ہوئے ان کا طبی،نفسیاتی،سائینسی، ادبی اور مابعدالطبیعاتی پہلوؤں سے تجزیہ کیا ہے،میرے محدود علم کے مطابق اس کی مثال نہیں ملتی۔آپ کی یادوں کے مطالعے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ آپ کا اپنے رب سے ایک خاص نوع کا تعلق ہے تاہم جب آپ اس تعلق کو سپردِ قلم کرتے ہیں تو میری دانست میں یہ تعلق ذاتی نہیں رہتا۔باقی جہاں تک اللہ کا اپنے بندے سے سلوک کا معاملہ ہے تو اللہ بندے سے وہی سلوک کرتا ہے جو بندہ گمان کرتا ہے۔غالباً آپ کی شخصیت کی تشکیل میں آپ کے بزرگوں کی درویشی اور آپ کا ذوقِ جستجو دونوں گھل مل گئے ہیں۔ ▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

فرحت نواز (رحیم یار خان): کتاب میں نے پڑھ لی ہے۔بہت دلچسپ لگی ہے اور بہت منفرد بھی۔ پڑھنے والے ان تجربوں کو جھٹلا نہیں سکیں گے۔ یہ توجہ کھینچنے والی کتاب ہے، مجھے تو بہت اچھی لگی۔۔۔۔۔ آپ کی کتاب پڑھنے کے بعد سے اس کے مندرجات مسلسل ذہن میں گھوم رہے ہیں۔

....

کلثوم رقیہ (خوشاب): ایک اہم بات یہ بھی کہ دیارِ مغرب میں بیٹھ کر بھی حیدر قریشی صاحب اردو ادب کی جو آبیاری کر رہے ہیں اس کی نظیر نہیں ملتی۔یہ کوئی رسمی سا جملہ نہیں ہے جو کوئی حیدر قریشی صاحب کے ادبی کام کو دیکھنے بیٹھے تو معیار کے لحاظ سے بھی اور مقدار کے لحاظ سے بھی ان کا کام سب سے الگ اور سربلند دکھائی دیتا ہے۔یہ ان کا سب سے بڑا علمی اور ادبی اعزاز ہے۔

....

ڈاکٹر عامر سہیل (ایبٹ آباد): یہ کتاب پڑھنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ قریشی صاحب کی زندگی میں جو بار بار انوکھے اور اچھوتے واقعات پیش آتے ہیں اس کی وجہ سے ان کی زندگی کا سکھ چین بڑھا ہے اور ہمیشہ اس سے بڑا فائدہ ہی پہنچا ہے۔یہ اطمینان قلب اور اسباب میں اضافہ کوئی معمولی شئے ہرگز نہیں۔بیماری کے دوران ہونے والے روحانی تجربات نے قریشی صاحب کی ساتویں حس بیدار کر دی ہے۔یہ کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انسان کو کائناتِ اصغر اسی لیے کہا گیا کہ یہ بھی ایک طلسماتی جہان ہے جسے دریافت کرنا خاصا مشکل ہے۔قریشی صاحب باہمت انسان ہیں کہ ایسے واقعات کو کامل یکسوئی اور ادبی ذمہ داری سے پیش کر دیتے ہیں۔اس کتاب کا مطالعہ بار بار کرنا چاہوں گا کیونکہ کچھ مقامات میرے اپنے ذہن میں ابھی بہت واضح نہیں ہیں ممکن ہے دوسری یا تیسری قرات میں مزید گتھیاں سلجھ جائیں۔قریشی صاحب کو اتنی شاندار اور فکری امکانات سے بھرپور اور ثروت مند کتاب لکھنے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

....

نصرت ظہیر (ایڈیٹر سہ ماہی 'ادب ساز' دہلی)

حیدر قریشی جس طرح کام کر رہے ہیں اسے واقعی سلام کرنا پڑتا ہے۔ایسا فنافی الادب اردو والا کم از کم اب تک کی عمر میں تو میں نے نہیں دیکھا۔ جب وہ پیدا ہوئے ہونگے تو مجھ سے ایک ڈیڑھ سال چھوٹے رہے ہوں گے۔لیکن اب جو حساب لگا کر دیکھتا ہوں تو پاتا ہوں کہ وہ اپنی ذات میں اردو ادب کا ایک دور بنتے جا رہے ہیں۔۔۔ماہیے کے علاوہ غزل سے بھی ان کا عشق مجھے کچھ کم نہیں لگتا۔یہی کیفیت کسی قدر نظم میں ہے۔اس کے علاوہ انہوں نے افسانے لکھے ہیں، انشائیے تحریر کئے ہیں، خاکہ نگاری کی ہے، تنقیدیں لکھی ہیں، مراسلہ بازی فرمائی ہے اور وہ سب لکھا ہے جو عام طور سے عام ادیب نہیں لکھتے۔اور میری مشکل دیکھئے کہ میں نے پچھلے چند ہفتوں میں یہ سب پڑھا تو غزلوں سے زیادہ مجھے ماہیے اچھے لگے، ماہیوں سے زیادہ نظموں میں لطف آیا، نظموں سے زیادہ انشائیوں میں مزا پایا، انشائیوں سے زیادہ خاکوں نے لطف دیا، خاکوں سے زیادہ تنقیدی مضامین نے متاثر کیا، تنقیدی مضامین سے زیادہ غزلیں پسند آئیں، غزلوں سے زیادہ ماہیے اچھے لگے، ماہیوں سے زیادہ...وعلیٰ ہذالقیاس۔نہ وہ ٹھہرے نہ میں ٹھہرا۔گھوم پھر کر دونوں وہیں واپس آتے رہے جہاں سے چلے تھے۔

....

نصرت ظہیر (دہلی): تخلیقی ادب میں کسی نئی یا غیر معروف صنف کو رائج کرا دینا اپنے آپ میں اتنی بڑی بات ہے کہ اسے تاریخ ہمیشہ ایک ادبی واقعے کے طور پر یاد رکھتی ہے۔'آزاد غزل' کو متعارف کرانے کے لئے جتنا مظہر امام کو یاد رکھا جائے گا، شائد اس سے کہیں زیادہ 'ماہیے' کو پھر سے رواج اور قبولیت دلانے کے لئے حیدر قریشی کی یاد آئے گی۔کتنی حیرت کی بات ہے کہ پچھلے کئی عشروں سے جرمنی میں خاموشی، مگر نہایت سرگرمی سے ادب کی تخلیق و ترویج میں مصروف یہ فنکار صرف ماہیے ہی نہیں لکھ رہا ہے بلکہ اس نے غزل، نظم، افسانے، انشائیے، خاکے اور سفر نامے لکھنے اور تنقید و تحقیق کے شعبے میں بھی اپنی موجودگی کا احساس دلایا ہے۔ایسے قلم کار کی ادبی قدر و قیمت اور تخلیقی جہات کا اندازہ لگانے کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے اور قریب سے دیکھا اور دکھایا جائے۔

....

نصرت ظہیر: اردوستان میں آپ کا خبر نامہ نظر آیا، اچھا تھا۔۔۔آپ کی سوچ اور باتوں میں بڑا توازن ملتا ہے جس سے میں بھی بہت کچھ سیکھ رہا ہوں۔

....

کریم رضا مونگیری (چیف ایڈیٹر روزنامہ ''عکاس'' کولکاتا):

حیدرقریشی جرمنی میں اردو کا ایک جانا پہچانا نام ہے۔میں جب رختِ سفر باندھ رہا تھا تو یورپ میں اردو پر ضمیمہ شائع کرنے کا خیال آیا۔ میں نے ڈنمارک، جرمنی، ناروے، لندن کے کئی دوستوں کو اس سلسلہ میں زحمت دینی چاہی لیکن ان میں سے بیشتر سے ہمارا رابطہ نہیں ہو پایا۔ حیدرقریشی وہ مردِ میدان ثابت ہوئے جنہوں نے ''عکاس'' کے اس ضمیمہ کے لیے خود کو وقف کر دیا اور کریم نوازی کی انتہا کر دی۔یورپی شعراء وادبا کی تخلیقات مع تصاویر براہِ راست انٹرنیٹ کے ذریعہ شب وروز ارسال کرتے رہے۔یورپ میں ۸ سے ۱۶ گھنٹے کسبِ معاش کی تلاش میں سرگرداں رہنے کے باوجود انہوں نے میرے التماس کو عزت بخشی اور لگ بھگ دس روز تک لگاتار ''عکاس'' کے ضمیمہ کے لیے کام کرتے رہے۔ میں ان کا شکر گزار ہوں اور برملا اعتراف کرتا ہوں کہ ان کے تعاون کے بغیر یہ ضمیمہ نکل نہیں سکتا تھا۔اگر یہ قارئین کو پسند آئے تو اس کی کامیابی کا سہرا حیدرقریشی کے سر بندھتا ہے۔**(8 صفحات پر مشتمل یورپ میں اردو، روزنامہ ''عکاس'' کولکتہ 25.05.2008)**

....

ارشد خالد (ایڈیٹر ''عکاس انٹرنیشنل'' اسلام آباد):

حیدرقریشی کے ہم عصر دوست اور ادیب ان کے ساتھ چلتے ہوئے بہت پیچھے رہ گئے۔وہ خان پور کے کچہری چوک پر اور اس کے آس پاس اپنی ادبی شناخت ڈھونڈ رہے ہونگے جب کہ حیدرقریشی صاحب اپنی ادبی شناخت بناتے ہوئے عالمی ادبی منظرنامے پر پہنچ گئے ہیں اور عالمی سطح پر اپنی ادبی شناخت بنا چکے ہیں۔حیدرقریشی ایک شاعر، افسانہ نگار، خاکہ نگار اور یادنگار، سفرنامہ نگار، انشائیہ نگار، نقاد اور محقق کی حیثیتوں سے اپنی شناخت بنا چکے ہیں اور ان حیثیتوں کو مزید مستحکم کر رہے ہیں۔ مستحکم ہونے کا ہنر بہتر طور پر جانتے ہیں ان کے علاوہ شاعری میں اردو ماہیا کی شناخت اور خدوخال کے بارے میں جو تحقیقی کام حیدرؔ نے کیا وہ اُردو ادب کی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔یہ کام اپنی جگہ مستند اور جامع ہے۔حیدر نے ادبی معرکہ آرائیوں میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔بڑی بڑی ادبی شخصیات کے سرقات بے نقاب کئے اور مخالفین کا ڈٹ کر مدلل طریقے سے مقابلہ کیا۔یہ کام تاریخی نوعیت کا ہے۔

....

ڈاکٹر رضیہ اسماعیل (برمنگھم، انگلینڈ)

(حیدرقریشی)معاملات کے کھرے، ذہنی طور پر اور تخلیقی طور پر انتہائی فعال،۔۔۔ان کی عمر کے لوگوں میں سے شاید ہی کوئی ہو جو اتنا جینوئن بھی ہو اور جدید ٹیکنالوجی سے اس حد تک منسلک ہو۔انٹرنیٹ پر حیدرقریشی کی سرگرمیاں حیران کن اور لائق رشک ہیں۔

میں ان کی قاری ہوں اور قاری کی حیثیت سے مجھے ان کی ساری تحریریں اچھی لگی ہیں، ان کے خاکوں اور ماہیوں نے براہ راست متاثر کیا۔ان کی تحریروں میں اور بالخصوص افسانوں میں جہاں صوفیانہ پچ آتا ہے وہاں ان کا فن اپنے کمال پر ہوتا ہے۔۔۔۔بہت مستند شاعر اور ادیب۔ادب کی اونچی مسند پر ہیں۔ان کی تحریروں میں بہت جان ہے۔:ماہیے پر تخلیقی، تحقیقی، تنقیدی تینوں لحاظ سے ان کا کام تاریخی نوعیت کا ہے۔ حیدرقریشی بے لوث، صاف گو اور جینوئن انسان اور ادیب ہیں۔ویسے تو ان کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی منفرد خوبی ہے، لیکن ماہیے اور خاکوں، یادوں کے حوالے سے ہونے والے ان کے کام کا مستقل حوالہ بنتا ہے۔

....

ڈاکٹر محمد عثمان (پشاور): یہ حیدرقریشی صاحب کا ظرف ہے کہ انہوں نے اپنی تحریر روک کر میرا افسانہ شائع کیا۔بڑے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔**(ادبی ایڈیشن ''عکاس'' 26.04.2026 پر ایک واٹس ایپ گروپ میں کمنٹس)** ....

حیدرقریشی کے خاکوں،افسانوں،سفرناموں،یادوں،
انشائیوں،یادوں،تنقیدی مضامین،
غزلوں،نظموں اور ماہیوں سے

مختصر ترین انتخاب

خاکہ ''برگد کا پیڑ'' سے اقتباس

ابا جی وضع دار انسان تھے۔روایات سے محبت رکھتے تھے مگر زمانے کے ارتقا کی سچائی کو مانتے تھے۔۱۹۶۰ء تک پھندنے والی رومی ٹوپی پہنتے رہے۔اس ٹوپی کو تر کی ٹوپی بھی کہتے تھے۔پھر کلاہ کے ساتھ لنگی باندھنی شروع کی اور جناح کیپ بھی استعمال کرتے رہے۔آج ابا جی کی ساری زندگی کی طرف نظر دوڑاتا ہوں تو مجھے ان کے اندر بیک وقت ایک دراوڑ، ایک آریا اور ایک عرب بیٹھا نظر آتا ہے۔ان کی زندگی کے ابتدائی ایام میں دراوڑ حاوی رہا۔عالم شباب میں نواب بھاولپور تک رسائی حاصل کر کے انہیں بھاول نگر محکمہ پولیس میں محرر لگوایا گیا جب سارا سامان باندھ کر روانہ ہونے کا وقت آیا تو دادا جی نے دبی زبان سے کہا: بیٹا!۔۔تو پھر جا رہے ہو؟۔۔اچھا جاؤ، ویسے دل نہیں کرتا کہ جاؤ۔

ابا جی نے فوراً کہا: دل تو میرا بھی نہیں کرتا کہ جاؤں، اس لئے نہیں جاتا۔۔ یہ کہہ کر بندھا ہوا سامان کھول ڈالا۔ابا جی نے یہ قصہ بڑے مزے لے کر ہمیں سنایا تھا اور پھر کہا تھا: بھئی ہم سرائیکی لوگ تو اپنے شہر کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچ کر ہی پردیسی ہو جاتے تھے۔

اندر کے آریا اور دراوڑ کی کشمکش سے بے نیاز ایک عرب درویش ہمیشہ ابا جی کے اندر موجود رہا۔یہ درویش خواب بین، دعا گو اور صاحبِ کشف وکرامت تھا۔عرب درویش کا کمال یہ تھا کہ نیل آرمسٹرانگ سے دس سال پہلے اس نے چاند کی سرزمین پر قدم رکھ دیا تھا۔ابا جی نے ۱۹۵۹ء میں خواب دیکھا کہ وہ چاند کی سرزمین پر اترے ہوئے ہیں۔ وہاں کے پہاڑ دیکھنے میں ایسے لگتے ہیں جیسے راکھ کے ہوں اور پاؤں رکھتے ہی راکھ میں دھنس جائیں گے۔لیکن ابا جی پہاڑ پر پاؤں رکھتے ہیں تو وہ پتھر کے ہی ہوتے ہیں۔

ابا جی نے دو شادیاں کیں۔پہلی بیوی عزیز بی بی نے اس الزام کی بنیاد پر عدالت کے ذریعے طلاق لی کہ یہ شخص اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں۔ پھر ابا جی کی شادی ہماری امی جی سے ہوئی اور یکے بعد دیگرے دس بچے پیدا ہوئے۔ پانچ بیٹے، پانچ بیٹیاں۔عزیز بی بی نے دوسری جگہ شادی کر لی مگر اولاد سے محروم رہی۔

■■■■■■■■■■■■■■■■

خاکہ ''مائے نی میں کنوں آکھاں'' سے اقتباس

''راج دلارے! راو میری اکھیوں کے تارے
میں تو واری واری جاؤں۔۔راج دلارے.....''

یہ مشہور لوری میں نے کوثر پروین کی آواز سے پہلے اپنی امی جی کی آواز میں سنی۔امی جی نے یہ لوری اپنے سارے بیٹوں میں سے صرف میرے لئے گائی۔ماں کی محبت اور دعاؤں سے بھری اس لوری نے مجھے پروان چڑھایا۔امی جی کی وفات سے کوئی سال بھر پہلے مجھے چند ماہ گوجرانوالہ میں گزارنے پڑے۔وہیں ایک روز شام کا کھانا ایک ہوٹل میں کھا رہا تھا۔اچانک یہ لوری کیسٹ پلیئر سے نشر ہونے لگی۔لوری شروع ہوتے ہی میں جیسے بچہ بن گیا اور میں نے دیکھا کہ امی جی نے مجھے۔۔چھ ماہ کے بچے کو۔۔گود میں اٹھایا ہوا ہے اور لوری سنا رہی ہیں لوری ختم ہوگئی۔۔میں بچپن عبور کرکے اپنی اصل عمر تک پہنچا تو دیکھا کہ، میں جو ابھی ماں کی گود میں کھلکھلا رہا تھا، میری آنکھیں بھیگی ہوئیں تھیں۔عجیب سا تجربہ تھا۔کئی بار سوچا امی جی کو اس تجربے سے آگاہ کروں گا مگر پہلی محبت کے اظہار کی طرح اس تجربہ سے امی جی کو آگاہ نہ کرسکا یہاں تک کہ وہ وفات پاگئیں۔

پہلی محبت سے یاد آیا کہ میری پہلی محبت بھی میری امی جی ہیں اور آخری محبت بھی امی جی ہیں۔اس اوّل اور آخر کے بیچ میں بہت سی محبتیں آئیں مگر درحقیقت وہ سب میری پہلی اور آخری محبت کا عکس تھیں۔امی جی کا چہرہ کتابی اور گول چہرے کے بین بین تھا۔چنانچہ بیچ میں آنے والی میری ساری محبتیں بھی کتابی چہرے والی تھیں۔اپنی بیوی سے میری گہری دوستی کی وجہ شاید یہی ہے کہ امی جی کی بھتیجی ہونے کے ساتھ امی جی سے کافی مشابہت بھی رکھتی ہے۔ماہرین نفسیات اس کی جو چاہیں توجیہہ کر لیں، مجھے اعتراف جرم سے عار نہیں۔

امی جی کی شادی کم عمری میں ہوئی۔چودہ پندرہ برس کی عمر میں، تب ابا جی کی عمر تقریباً ستائیس برس تھی۔ابا جی سرائیکی تھے، امی جی پنجابی۔عمروں اور کلچر کے واضح فرق کے باوجود میاں بیوی کی محبت کا کمال یوں ظاہر ہوا کہ ابا جی دیکھنے میں پنجابی لگتے تھے اور امی جی سرائیکی لگتی تھیں۔دونوں نے خود کو ایک دوسرے کے رنگ میں رنگ لیا تھا۔من تو شدم تو من شدی والا حال تھا۔

ٔٔٔٔٔٔٔٔٔ■■■■■■■■■■■■■■■■

خاکہ ''پسلی کی ٹیڑھ'' سے اقتباس

میں اٹھارہ سال کا تھا، مبارکہ چودہ سال کی تھی جب ہماری شادی ہوگئی۔ہماری شادی کیا تھی گڈی، گڈے کا بیاہ تھا۔مجھے کچھ پتہ نہ اسے کچھ خبر! بے خبری کے عالم میں ولیمہ بھی ہوگیا۔کئی دن گزر گئے اور ہم بے خبری کی جنت میں سوتے رہے۔پھر یکا یک، از خود آگہی کا کوندا لپکا۔اور پھر ہم پتوں سے اپنے تن ڈھانپنے لگے۔آدم اور حوا کی کہانی آگے بڑھنے لگی۔

بات ہو رہی تھی آدم اور حوا کی کہانی کی۔اس کہانی میں اتوار کے دن کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔میں اتوار کے دن پیدا ہوا، مبارکہ بھی اتوار کے دن پیدا ہوئی، ہمارا نکاح بھی اتوار کے دن ہوا۔پہلی بیٹی رضوانہ اتوار کے دن پیدا ہوئی۔پہلا بیٹا شعیب اتوار کے دن پیدا ہوا۔آخر حکومت پاکستان نے تنگ آکر اتوار کی سرکاری چھٹی ختم کردی اور چھٹی کے لئے جمعہ کا دن مقرر کردیا۔

(یہاں پہلے ایک گیت کا ذکر ہے، خدا نگہبان ہو تمہارا (فلم: مغلِ اعظم)

اب گانے والی بات کی طرف آتا ہوں۔صبح سوا چار بجے مبارکہ نے مجھے آواز دے کر کہا کہ خون زیادہ بہہ رہا ہے، رُک نہیں رہا، آپ آکر دیکھیں۔تو یہ گویا ان کی طرف سے پیام تھا کہ یہ دل بس مزید چند منٹ تک دھڑکنے والا ہے، اس لیے اس کا پیام سن لو۔میں تمہاری دنیا سے جا رہی ہوں سو اٹھو اور میرا سلام لے لو۔۔۔۔مبارکہ کی وفات کی صورتِ حال کے ساتھ یہ گانا اتنا زیادہ جڑ گیا ہے کہ جیسے یہ حقیقتاً ہمارے لیے بنایا گیا ہو۔دلیپ کمار اور مدھو بالا تو اس گانے میں اداکاری کر رہے تھے ہم دونوں پر تو یہ گانا ایک نئی معنویت کے ساتھ گزر رہا تھا۔

قرآن شریف میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔زندگی بھر مبارکہ میرے لیے لباس بھی تھیں اور فل اوور کوٹ بھی۔

میرا آخری وقت جب بھی آئے، اللہ کی مرضی ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ میرے آخری وقت میں مجھے کسی کے بے تکلفانہ پکارنے کی کوئی جانی پہچانی سی آواز سنائی دے گی، یہ واضح نہیں ہوگا کہ پکارنے والی شوہر کو پکار رہی ہیں یا بیٹے کو۔یہ پکارنے والی مبارکہ بھی ہوسکتی ہیں، میری امی بھی ہو سکتی ہیں اور ہوسکتا ہے کہ جب دوسری دنیا میں پہنچوں تو معلوم ہو کہ امی اور مبارکہ دونوں نے مل کر مجھے پکارا تھا اور دونوں ہی میرے آنے کی منتظر تھیں!

■■■■■■■■■■■■■■■■

اقتباس از افسانہ ’’کہانی کی کہانی‘‘

یہ کہانی وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں اس کا اختتام ہوتا ہے۔فلیش بیک کی تیکنیک سے نہیں بلکہ سچ مچ وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں یہ ختم ہوتی ہے۔لیکن کیسے؟۔۔کوئی بھی کہانی جب شروع ہوتی ہے تو سیدھ میں آگے بڑھنے لگتی ہے۔ بے شک اس میں کچھ نشیب و فراز بھی آتے ہیں، کچھ موڑ بھی آتے ہیں، ٹیڑھے میڑھے رستوں سے بھی گزر ہوسکتا ہے، گلیوں، سڑکوں، شاہ راہوں، فٹ پاتھوں سے پگڈنڈیوں تک کئی مقامات پیش آسکتے ہیں۔جنگلوں، دریاؤں، سمندروں اور صحراؤں سے بھی گزرنا پڑسکتا ہے۔لیکن ایسے ہر مقام سے گزرتے ہوئے بھی کہانی کو آگے بڑھنا ہوتا ہے۔یہ صراطِ مستقیم ہو یا زگ زیگ لیکن آگے تو چلنا ہوتا ہے۔پر یہ واضح نہیں ہورہا کہ کہانی اپنے اختتام سے کیسے شروع ہو۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

اقتباس از افسانہ ’’روشنی کی بشارت‘‘

ایک دفعہ میں اپنے وقت سے پچاس برس پہلے آیا تھا اور جب پچاس برس بعد میں دوبارہ آیا تھا تو میں نے یہ دیکھا تھا کہ میں اپنے وقت سے ایک صدی پہلے آگیا ہوں....پھر جب میں ایک صدی بعد آیا تو میری آمد اپنے وقت سے دوسو سال پہلے تھی۔اور جب میں دوسو سال بعد آیا تو میری آمد میں چارسو سال رہتے تھے اور پھر جب میں چارسو سال بعد آیا تو میں اپنے وقت سے آٹھ سو سال پہلے آیا ہوا تھا۔اور اب جب میں آٹھ سو سال بعد آیا ہوں تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میں اپنے وقت سے سولہ سو سال پہلے آگیا ہوں۔میں جو روشنی کی بشارت ہوں۔ ہر لحظہ اس دنیا سے دور ہورہا ہوں وہ کون سی صفر مدّت ہے۔جس میں یہ تمام صدیاں اور زمانے سمٹ آئیں گے اور میری آمد قبل از وقت نہ ہوگی۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

اقتباس از افسانہ ’’غریب بادشاہ‘‘

میں ہی پنوں تھا اور میں ہی مجنوں تھا، میں ہی فرہاد تھا اور میں ہی رانجھا تھا، میں ہی کرشن تھا اور میں ہی مہندرا تھا.میں ہر روپ میں تمہیں ڈھونڈتا تھا اور تمہارے جتنے بھی نام تھے سسّی، لیلیٰ، شیریں، ہیر، رادھا۔مومل سب ایک تھے اور میرے بھی جتنے نام ہیں سب ایک ہیں....لیکن ہم صدیوں سے ایک دوسرے کی تلاش اور جستجو میں حصے بخرے ہوتے چلے جارہے ہیں اور ہمارے ہر حصے میں دکھ کی ایک کہانی بنتی چلی جارہی ہے۔۔۔۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

اقتباس از افسانہ ’’میں انتظار کرتا ہوں!‘‘

میں وہی ہوں کنواریاں جس کے لئے ہزاروں برسوں سے انتظار کررہی تھیں۔۔۔۔اور میں وہی ہوں چاند سورج اور ستارے جس کے آگے سجدہ ریز ہوں گے۔

اور میں وہی ہوں جو اپنے باپ کے تخت کا حقیقی وارث ہے۔

میں سوتیلے جذبوں کا شکار ہوں۔

میرے سوتیلے عزیز تاریخ کو جتنا مسخ کرلیں مگر وہ میرے باپ کا نام کیوں کر مٹا سکیں گے کہ پھر وہ خود بھی بے شناخت ہوجائیں گے۔

میں ابراہیم کا بیٹا ہوں۔

میں ابراہیم کا پوتا ہوں۔

میں آلِ ابراہیم سے ہوں۔

آگ ابراہیم کے لئے گلزار ہوگئی تھی تو مجھے کیونکر نقصان پہنچا سکے گی۔

’آگ سے ہمیں مت ڈراؤ یہ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

اقتباس از افسانہ ’’نیک بندوں کی بستی‘‘

مجذوب نوجوانوں کو بتا رہا تھا کہ خدا خود کہتا ہے کہ جو مجھے ڈھونڈتا ہے، وہ مجھے پالیتا ہے۔اور جو مجھے پالیتا ہے وہ مجھے دیکھ لیتا ہے۔جو مجھے دیکھ لیتا ہے وہ میرا عاشق بن جاتا ہے۔جو میرا عاشق ہوجاتا ہے، اُسے میں قتل کردیتا ہوں اور جسے میں قتل کردیتا ہوں اُس کا خون بہا میں خود ہوجاتا ہوں۔

▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪▪

سفرنامہ ”سوئے حجاز“ سے اقتباس

یہاں سے ہم حطیم کعبہ میں گئے۔ وہاں دو دو نفل ادا کئے۔ من کی مرادیں مانگیں۔ پھر حطیم والی طرف سے ”باب الملک فہد“ کی طرف جانے والے رستے کی ایک صف میں خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئے: تیرے سامنے بیٹھ کے رونا تے دُکھ تینوں نئیں دَسنا

لگ بھگ دو گھنٹے تک دیدارِ کعبہ سے آنکھیں روشن کرتے رہے۔ اس دوران چند نوافل بھی وقفے وقفے سے پڑھتے رہے۔

ایک بار جب حضرت ابراہیم مکہ تشریف لائے تو بی بی ہاجرہ فوت ہو چکی تھیں۔ تب حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو ساتھ لے کر ان کی قبر کے گرد ایک بڑا سا احاطہ بنا دیا جو صرف پتھروں پر پتھر رکھ بنایا گیا۔ اس میں گارے کا استعمال نہیں ہوا۔ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام فوت ہوئے تو انہیں بھی ان کی والدہ ماجدہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ان قبروں والی جگہ کو میزاب الرحمت کہا جاتا ہے۔ دراصل اسلام سے پہلے بھی کعبہ شریف کی حدود کو کبھی گھٹانے اور کبھی ابراہیمی بنیادوں پر قائم رکھنے کا سلسلہ چلتا رہا ہے۔

خدا کے بارے میں دو بڑے تصوّر مختلف صورتوں میں ہمیشہ سے موجود رہے ہیں۔ ایک تصوّر انوار پرستی کا اور دوسرا ارض پرستی کا۔ ارض پرستی سے زمین کے درختوں، پہاڑوں، دریاؤں، بعض جانوروں اور بتوں کو مقدّس مانا گیا اور انوار پرستی سے سورج، چاند، ستاروں اور آگ کی پرستش کو رواج ملا۔ اصل میں تو یہ سارے تصورات اور عقائد خالقِ کائنات کی جستجو کے سفر ہیں۔ بس ے سفرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست“۔ اسلام نے اللہ کو آسمانوں اور زمین کا نور کہہ کر اسے روشنی کے عام مظاہر سے ارفع قرار دیا دوسری طرف بت پرستی کو ختم کر کے خانہ کعبہ کو زمینی مرکز بنا دیا یوں اسلام نے انوار پرستی اور ارض پرستی کے مروجہ تصورات سے ہٹ کر ایسا معتدل تصور عطا کیا جو خالق کائنات کے بارے میں ہماری بہتر رہنمائی کرتا ہے۔

حطیم کو کعبہ کی دیوار کے اندر رکھا جائے یا باہر.....وہ بہر حال کعبہ شریف کا حصہ ہے۔ اس حصے میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کے مدفون ہونے سے کم از کم مجھے تو کوئی الجھن محسوس نہیں ہوتی کیونکہ میں جب کعبہ کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتا ہوں تو میرا سجدہ اس عمارت کے لئے نہیں بلکہ خدا کے حکم کی فرمانبرداری کے لئے ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ کرنا بھی درحقیقت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں تھا بلکہ خدا کے حکم کو سجدہ کرنا تھا۔

یکا یک مجھ پر منکشف ہوا کہ۔۔ یہ سامنے والی دیوار تو صرف ظاہری پردہ ہے وگرنہ میں جو حطیم میں بیٹھا ہوا ہوں درحقیقت خانہ کعبہ کے اندر ہی بیٹھا ہوا ہوں۔ عجیب لذّت آفریں اسرار تھا کہ میں بیک وقت کعبہ کے اندر بھی تھا اور باہر بھی۔ یہ داخلیت اور خارجیت کی بحث تو بس ایسے ہی ہے۔ اس انوکھے تجربے نے مجھے احساس دلایا کہ ہمارا باہر بھی ہمارے اندر کا ایک حصہ ہے۔ لیکن پھر اسی بھید کا ایک اور مرحلہ بھی مجھ پر منکشف ہوا۔ ظاہر، باطن عین ایانی، ہُو ہُو پیا سنیوے ہُو

سلطان باہو کے اس عارفانہ تجربے جیسی ہی کوئی بات تھی لیکن میرے لئے نا قابلِ بیان ہے۔

نماز فجر کے بعد میں نے ریاض الجنۃ کے استوانہ عائشہ میں بڑی مشکل سے جگہ حاصل کی۔ نوافل ادا کئے۔ کثرت سے درود شریف پڑھنے کے بعد خود کو روضۂ رسولؐ پر حاضری دینے کے لئے تیار پایا۔ لائن میں جگہ آرام سے مل گئی۔ زیادہ دھکم پیل نہیں ہوئی۔ جالیوں کے سامنے سرکاری اہلکار کھڑے تھے۔ زائرین کو درود وسلام پڑھتے ہوئے بس گذرتے چلے جانا تھا۔ جالی کو احتراماً چھونا بھی منع تھا۔۔ میں اپنی دعاؤں میں مگن تھا۔ جب دعائیں ہو گئیں اور میں نے درود شریف پڑھنا شروع کیا، تب کسی کے زور سے چلّانے کی آواز آئی۔ میں نے دعا کے لئے اٹھے ہوئے ہاتھ اپنے چہرہ پر پھیرے اور دیکھا تو جالیوں کے سامنے کھڑا ہوا ایک پُلسیا مجھ پر برہم ہو رہا تھا۔ اس کی آواز خاصی اونچی تھی اور اسی جگہ روضۂ رسولؐ کی جالی سے اوپر کر کے وہ آیت لکھی ہوئی تھی جس کا ترجمہ یہ ہے: نبیؐ کے سامنے اپنی آواز بلند مت کیا کرو۔ پُلسیئے کی برہمی سے یہ تو اندازہ ہو گیا تھا کہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے کو بھی شرک میں شمار کر لیا گیا ہے۔۔

درِ کعبہ پر ایک دیدہ زیب سنہری سی چلمن آویزاں ہے۔ اس پر قرآنی آیات درج ہیں۔ یہ چلمن بیچ میں سے تھوڑی دائیں جانب اور تھوڑی سی بائیں جانب ہٹی ہوئی ہے۔

”صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں“، جیسی چلمن..

■■■■■■■■■■■■■■■■

’’بیماری یا روحانی تجربہ‘‘ سے اقتباس

مجھے جو کچھ پیش آیا، میں نے جو روحانی تجربہ کیا، اسے جہاں تک بیان کرنا ممکن تھا، میں نے بیان کر دیا ہے۔ میں اسے ایسا نادر کشف سمجھتا ہوں جو عام کشوف سے مختلف ہے اور جس میں مجھے میرا پورا جسم بھی شریک محسوس ہوتا رہا۔ میرے دادا جی اور ابا جی کے تجربات سے جڑا ہوا میرا تجربہ میرے لئے ایک روحانی تجربہ تھا۔ میں نے اپنے تجربے میں خود آپ کو شریک کیا ہے۔

آپ اسے ایسا ہی سمجھیں، یا اسے میری بیماریوں کا اثر سمجھیں،
دواؤں کا ری ایکشن سمجھیں، یا کچھ اور سمجھیں،
آپ کو اس کے بارے میں کوئی بھی رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہے۔

میرا لکھا ہوا اپنی جگہ موجود ہے۔اور موجود رہے گا۔ دماغ کی بیداری کے ساتھ میں نے اسے سچے دل سے لکھا ہے، سو اسے کتابِ دل سمجھیں۔

اپنی اڑانیں، ساری شانیں، تیرے دَم سے یار
تیرے ہاتھ ہوائیں ساری تیرے ہاتھ میں ڈور

پھر میں نے دیکھا کہ میں عالمِ بالا میں پہنچ گیا ہوں۔ میرا جسم بستر پر پڑا ہے مگر میں دوسری دنیا میں پہنچا ہوا ہوں۔ میں وہیں سے بول رہا ہوں اور اپنے بچوں کو وہاں کا حال بتا رہا ہوں۔ پہلے مرحلے میں یہ حال مختصراً بتایا تھا۔اس کے بعد میں نے، بستر پر پڑے ہوئے میں نے بالکل معصوم بچوں جیسی مسکراہٹ اور حیرت کے ساتھ کہنا شروع کر دیا۔

میں تو اپنے خدا سے بہت پیار کرتا ہوں لیکن مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ میرا پیارا خدا مجھے اتنا پیار کرتا ہے۔ ’’اتنا‘‘ کو میں بچوں کی طرح لمبا کر کے بے حد حیرانی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ میں نے یہ جملہ بار بار کہا اور پھر اللہ اکبر۔ اللہ اکبر کا ورد شروع کر دیا۔ اللہ اکبر کہتے ہوئے میں اپنے سینے پر ہاتھ مارتا تھا۔ اللہ اکبر کے بعد میں نے سورۃ الم نشرح پڑھنا شروع کر دی۔ اور بار بار پڑھتا رہا۔ اس کی ان آیات کو پھر میں ایک سے زائد بار دہرانے لگتا۔ **وَرَفَعنَا لَکَ ذِکرَک. فَاِنَّ مَعَ العُسرِ یُسرَا. اِنَّ مَعَ العُسرِ یُسرَا.**

یہ آیات پڑھتے ہوئے میں اپنے دونوں بازو اٹھا کر پھر گدے پر اس طرح مارتا تھا جیسے بچے صوفے پر یا بیڈ پر جمپنگ کرتے ہیں۔ بچوں جیسی ہی خوشی تھی اور بچوں جیسی مسکراہٹ تھی۔

اب میں اگلی دنیا میں ایک اور سفر پر تھا۔ آگے چل کر جب دادا جی کی وفات کے قصہ اور ابا جی کی موت جیسی علالت میں مقامات اور رفتار کے مسئلے پر بات کروں گا تب اپنے اس سفر کی رفتار کے بارے میں بھی بات کروں گا۔

کئی مناظر سے گزرتے ہوئے ایک وقت آیا جب مجھے کہا گیا کہ آپ نے اب آگے جانا ہے تو خدا سے ملاقات ہو سکتی ہے لیکن پھر واپسی ممکن نہ ہوگی۔ لیکن اگر واپس جانا چاہیں تو یہاں سے بھی آپ کو خصوصی طور پر واپس بھیجا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ بات اسی وقت بچوں کو بتائی کہ مجھ سے میری مرضی پوچھی جا رہی ہے۔ پھر میں نے وہاں جواب دیا کہ میری ذاتی خواہش تو یہی ہے کہ اپنے پیارے خدا سے مل سکوں لیکن بچوں کی جو حالت ہو رہی ہے اس کی وجہ سے کچھ وقت کے لیے واپس چلا جاتا ہوں۔ میرے جواب کے بعد کچھ دیر معاملے پر غور ہوا اور پھر بتایا گیا کہ مجھے واپس بھیجا جائے گا۔ مزید کچھ دیر کے بعد میری واپسی کا حکم جاری کر دیا گیا۔ میں تب ہی بچوں کو یہ سارا حال بتا تا جا رہا تھا۔

فروری 2020ء سے جنوری 2022ء تک میں نے کینسر کے تین زوردار حملوں کا سامنا کیا۔ پہلے فروری 2020 میں بائیں گردے میں ٹیومر ملا اور وہ گردہ ہی نکال دیا گیا۔ پھر 26 جون 2020 کو جگر میں کینسر دریافت ہوا اور اس کا علاج مکمل ہونے سے پہلے 12 مئی 2021 کو برین ٹیومر بھی ظاہر ہو گیا۔۔۔۔کینسر کے ان سارے حملوں کے باوجود اللہ نے اپنے بہت ہی خاص فضل و کرم سے مجھے کینسر سے مکمل نجات عطا کر دی ہے۔

....

’’کھٹی میٹھی یادیں‘‘ سے اقتباس

میری بالکل ابتدائی ادبی تربیت میں میرے خاندان کے تین اہم افراد کا لاشعوری عمل دخل رہا۔ان کا میں اپنی بعض تحریروں میں ہلکا سا ذکر بھی کر چکا ہوں۔ابا جی نے مجھے اسکول جانے سے پہلے جس طرح اردو پڑھنا،لکھنا سکھا دیا تھا وہ میری ادبی تربیت کا پہلا زینہ تھا۔پھر امی جی کا گھر میں دلچسپی لے کر ناول پڑھنا بھی مجھے ادب کے ساتھ جوڑنے کا ایک سبب بنا۔امی جی نے ایک بار ایک طویل دعائیہ پنجابی نظم لکھی تھی ۔پھر میرے بچپن ہی میں ماموں حبیب اللہ صادق کا شاعر ہونا۔میں سمجھتا ہوں میرے بچپن کے یہ سارے عوامل میری ادبی تربیت کا سبب بنتے رہے ہیں۔۔۔اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ جس کو اس کے قسم کے حالات مل جائیں وہ شاعر اور ادیب بن جاتا ہے۔یہ صلاحیت تو خدا کی طرف سے ملتی ہے۔صلاحیت بیج کی طرح ہوتی ہے اور جب تک اسے مناسب زمین اور موزوں آب و ہوا نہ ملے ان کی نشوونما نہیں ہو سکتی۔میرے پانچوں بچوں میں ایسی خداداد صلاحیت نہیں تھی تو میری ادبی زمین اور آب و ہوا کے باوجود ان میں سے کوئی بھی شاعر اور ادیب نہیں بن سکا۔

میں بچپن سے بہت ڈرپوک ہوں۔’’اندھیرے کی ماں‘‘ سے ایک عرصہ تک بہت ڈر لگتا رہا۔امی ٗابو مجھے کسی شرارت سے روکنے کے لئے عموماً آخری حربے کے طور پر’’اندھیرے کی ماں آجائے گی‘‘ کہہ کر ڈراتے اور میں شرارت سے باز آجاتا۔یہ تو بہت بعد میں پتہ چلا کہ’’اندھیرے کی ماں‘‘تو بڑی کام کی چیز ہے۔انسان کی پردہ پوشی جیسا نیک کام کرتی ہے۔دوپہر کے وقت بھی اگر کبھی امی مجھے کہتیں کہ گھر کی چھت پر پڑی کوئی چیز لے آؤ تو میں بھری دوپہر میں بھی چھت پر جاتے ہوئے گھبراتا تھا۔کسی چھوٹے بھائی کو ساتھ لے لیتا۔گھر پر کوئی اور نہ ہوتا تو ڈرتے ڈرتے چھت پر جاتا اور وہاں سے آواز دیتا رہتا۔

’’امی! چھاج نہیں مل رہا۔کس طرف ہے؟۔۔۔۔۔۔۔‘‘

امی جی وہیں سے ہنس کر آواز دیتیں:

’’تُو بھی میری طرح ڈرپوک ہے۔دھیان سے دیکھ چھت پر ہی ہے‘‘

اور میں جیسے تیسے چھاج (یا جو کچھ بھی منگایا جاتا) لے کر چھت کی سیڑھیوں سے جلدی جلدی اترنے لگتا اور اترتے اترتے بھی کوئی نہ کوئی بات کرتا جاتا۔۔۔تو صاحب!اندھیرا ہو یا اجالا۔۔۔۔میں تنہائی سے ڈرتا اور گھبراتا تھا۔ایک عمر کے بعد معلوم ہوا کہ گیان کی روشنی اسی تنہائی سے نصیب ہوتی ہے۔پُر خوف اور گناہ کے مرحلوں سے گزرنے کے بعد یہ منزل نصیب ہوتی ہے۔میں بھی گیان کی منزل کا راہی ہوں لیکن ابھی رستے میں ہوں اور شاید جان بُوجھ کر رستے میں ہوں کہ رستوں کا ٗسفر کا اور سفر کی چھوٹی چھوٹی منزلوں کا اپنا مزہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر وزیر آغا ایک بار اپنے صاحبزادے سلیم آغا کے ساتھ لندن کی سیاحت کیلئے گئے تھے۔ان کی واپسی پر میں اور ڈاکٹر پرویز پروازی ان سے ملنے کے لئے ان کے گاؤں وزیر کوٹ گئے۔وزیر آغا اور سلیم لندن کے احوال بتا رہے تھے پرویز پروازی ،ڈاکٹر وزیر آغا کے ایج گروپ کے ہیں ، ان کے دوست بھی ہیں ،سو سلیم آغا ان کا بزرگوں کی طرح احترام کرتے ہیں یکا یک پرویز پروازی نے سلیم آغا سے ایک شریر سا سوال پوچھ لیا۔۔سنا ہے کہ اصل انگلش نسل خواتین کا Bottom بندر کے Bottom جیسا ہوتا ہے۔آپ کا تجربہ کیا کہتا ہے؟ سلیم آغا کا مزاج بھی اس انداز کی باتوں والا نہیں ہے، چنانچہ اس اچانک اور بے باک سوال پر وہ شرما کر رہ گئے۔لیکن ڈاکٹر وزیر آغا نے بڑی ہی برجستہ معصومیت کے ساتھ کہا جس نے بندر کا Bottom ہی کبھی نہیں دیکھا، وہ اس بارے میں کیا بتا سکتا ہے۔

ہماری (دسویں کی) اردو کی نصابی کتاب میں مولانا چراغ حسن حسرتؔ کا مشہور مزاحیہ مضمون’’لکڑی کی ٹانگ‘‘ بھی شامل تھا۔یہ مضمون ان کے مضامین کے مجموعہ’’کیلے کا چھلکا‘‘ سے لیا گیا تھا۔مضمون کی ریڈنگ کے بعد اس پر بات شروع ہوئی تو میں نے کہا :یہ ’لکڑی کی ٹانگ‘۔۔۔’کیلے کے چھلکے‘ سے حاصل کی گئی ہے۔مولوی خدا بخش صاحب میرا جملہ سُن کر محظوظ ہوئے۔مجھے دو تین بار ایسے شاباش دی جیسے داد دے رہے ہوں۔

■■■■■■■■■■■■■■■■■■

انشائیہ ''تجربہ اور تجربہ کاری'' سے اقتباس

یوں تو دنیا کے سارے ڈپلومیٹس تجربہ کاری کے زائیدہ ہیں لیکن دنیا کی واحد سپر پاور کے ڈپلومیٹس نے تجربہ کاری کی انتہاؤں کو چھو لیا ہے۔ جن مخصوص ممالک سے ان کے مفادات وابستہ ہیں وہاں کسی کو کانٹا بھی چبھ جائے تو واشنگٹن میں ان ڈپلومیٹس کا بچہ بچہ بے تاب ہو جاتا ہے لیکن جن خطوں سے ان کے مفادات لگّا نہیں کھاتے، وہاں انسانی خون بیدردی کے ساتھ پانی کی طرح بھی بہایا جا رہا ہو تو ان کی بے فکری دیدنی ہوتی ہے۔ یہ ڈپلومیٹس دنیا بھر میں جمہوریت کے نفاذ کے علمبردار ہیں لیکن اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کے لئے بعض ملکوں میں نہ صرف بادشاہتوں کو تحفظ فراہم کرتے ہیں بلکہ جہاں اپنا فائدہ نظر آئے وہاں جمہوریت کا خاتمہ کر کے فوجی آمریت بھی مسلّط کر دیتے ہیں۔ یہ کھیل تماشہ محض ڈپلومیسی یا سیاست نہیں بلکہ تجربہ کاری کا کمال ہے۔

■■■■■■■■■■■■■■■■■

انشائیہ ''اپنا اپنا سچ'' سے اقتباس

اس دنیا میں اربوں کی تعداد میں انسان موجود ہیں۔ سب کے تمام اعضا ایک جیسے ہیں۔ اتنی گہری یکسانیت کے باوجود ہر انسان دوسرے سے کچھ نہ کچھ مختلف ضرور ہے۔ اس کا دوسروں سے کچھ مختلف ہونا اس کی ذاتی شناخت ہے اور یہی اس کا ذاتی سچ ہے۔ پھولوں کو دیکھیں ہزار ہا اقسام کے اور رنگا رنگ پھول ہیں۔ اس کے باوجود ہر پھول ایک قدرِ مشترک رکھنے کے باوجود ہر دوسرے پھول سے مختلف ہے۔ پھولوں، پودوں کو چھوڑیں، پتھروں کو دیکھ لیں۔ پتھروں کو جمع کرنے کا شوق رکھنے والے حضرات اور پتھروں سے سر پھوڑنے والے عشاق بخوبی جانتے ہیں کہ دنیا میں ایک جیسے دو پتھر بھی نہیں ملتے۔ گویا اصل سچائی بیک وقت یکسانیت اور اختلاف کے امتزاج سے اُبھرتی ہے۔

■■■■■■■■■■■■■■■■■

انشائیہ ''یہ خیر و شر کے سلسلے'' سے اقتباس

جرأت و غیرت اور غنڈہ گردی و ظلم میں تفریق کسی فعل کی نوعیت سے نہیں کی جاتی۔ فعل تو ایک ہی ہے۔ اگر ہمارے خلاف سرزد ہو رہا ہے تو غنڈہ گردی اور ظلم ہے اور اگر ہم اس کا ارتکاب کر رہے ہیں تو یہ جرأت اور غیرت ہے۔ میرے ایک مرحوم دوست کہا کرتے تھے کہ ترقی پسندوں نے ادبی مارشل لا نافذ کیا تھا۔ میں نے انہیں بتایا کہ ویسا ہی طرزِ عمل بعض دینی ادب والوں نے بھی اپنا رکھا ہے تو وہ مسکرائے اور بولے بات تو آپ کی ٹھیک ہے لیکن ہم اسے مارشل لا کی جگہ ماشاءاللہ کہتے ہیں۔

■■■■■■■■■■■■■■■■■

انشائیہ ''اطاعت گزاری'' سے اقتباس

سچے اطاعت گزار کا کمال یہ ہے کہ جو سانحہ اس کے اپنے گروہ کے ساتھ گزرے اسے تو وہ خدا کی طرف سے آزمائش اور امتحان قرار دیتا ہے لیکن اگر ویسا ہی سانحہ بلکہ اس سے بھی کم تر سانحہ کسی دوسرے گروہ کو پیش آئے تو پورے ایمانی جوش و خروش کے ساتھ اسے عذابِ الٰہی سے تعبیر کرتا ہے۔ کیسا صحیح رویّہ ہے!

ایں سعادت بزور بازو نیست

اچھا اطاعت گزار اول تو اپنے کھونٹے سے بندھے رہنے میں ہی عافیت سمجھتا ہے تاہم اگر گھومنا پھرنا چاہے تو شاہی فرمان کے مطابق تین کھونٹ کے علاقوں تک ہی سفر کرتا ہے، چوتھے کھونٹ کی طرف کبھی نہیں جاتا۔ نتیجۃً آگہی کی ان ساری اذیتوں اور عذابوں سے محفوظ رہتا ہے جو ہر اُس شخص کا مقدر ہوتے ہیں جو چوتھی کھونٹ کی طرف نکل جاتا ہے۔ ہمارے ہاں ادب میں بھی اطاعت گزاری کے باقاعدہ سلسلے جاری ہیں۔ نظریاتی اطاعت گزاروں نے اپنے اپنے کیمپوں کو سجا رکھا ہے۔ ادبی گدی نشینوں کی ساری توقیر اطاعت گزاروں کے دم قدم سے ہے، جبکہ اطاعت گزاروں کو یہ سہولت حاصل ہے کہ ان کے لئے مراعات کا دروازہ ''کھُل جا سم سم'' کہے بغیر ہی کھل جاتا ہے۔ یوں اطاعت گزاری کے وصف کے باعث انہیں چوتھی کھونٹ کا سفر کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی اور اطاعت گزار ادیب ادب میں چوتھی کھونٹ کے سفر کی ساری صعوبتوں سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ سچ ہے جنہیں اللہ رکھے انہیں کون چکھے!

■■■■■■■■■■■■■■■■■

مضمون ''ادب اور الیکٹرانک میڈیا'' سے اقتباس

الیکٹرانک میڈیا پر ہر طرح کا مواد موجود ہے۔ایسا بے شمار مواد جسے عموماً ایک دوسرے سے چھپ کر دیکھا اور سنا جاتا ہے۔۔۔۔۔ایسے سطحی مواد،سوشل میڈیا کی گالی گلوچ سے بھی بڑھی ہوئی آزادی،متعدد اخلاقی اور سماجی مسائل کو جنم دیتی ہوئی خرابیاں،ایسا سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اسی الیکٹرانک میڈیا پر ہی ہم نے اردو ادب کے سلسلہ میں اپنا مثبت کردار ادا کرتے رہنا ہے۔قرآن مجید کی **سورۃ النحل** میں نہایت لطیف بات کی گئی ہے۔تمہارے لیے جانوروں میں سوچنے کا مقام ہے کہ ہم نے ان کے پیٹ میں گوبر اور خون کے درمیان میں سے دودھ کی دھاریں نکال دی ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہیں۔سو جب ہم غور کریں گے تو اسی الیکٹرانک میڈیا کے پیٹ میں موجود گوبر اور خون کے درمیان میں سے ادب کے دودھ کی دھاریں نکالتے رہیں گے۔اپنے عصر سے ہم آہنگ ہوتے چلے جائیں گے۔ ■■■■■■■■■■■■■■■■

''جدید ادب'' جرمنی کے میراجی نمبر کے اداریہ سے اقتباس

میرا جی ۲۵ مئی ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے اور ۳ نومبر ۱۹۴۹ء میں وفات پا گئے۔تقریباً ساڑھے سینتیس برس کی زندگی میں انہوں نے اردو ادب کو بہت کچھ دیا۔جدید نظم میں اپنے سب سے زیادہ اہم تخلیقی کردار کے ساتھ انہوں نے غزل اور گیت کی شعری دنیا پر بھی اپنے گہرے نقش ثبت کیے۔شاعری کے کچھ ہلکے پھلکے دوسرے نمونے بھی پیش کیے۔جو بظاہر ہلکے پھلکے لگتے ہیں لیکن اردو شاعری پر ان کے بھی نمایاں نقش موجود ہیں۔دنیا کے مختلف خطوں کے اہم شاعروں کی شاعری کے منظوم ترجمے،نثری ترجمے،تنقیدی و تعارفی مضامین۔ایسے ایسے انوکھے کام کیے کہ اپنے تو اپنے،غیر بھی ان کی تقلید کرتے دکھائی دیں۔میرا جی اپنی طبیعت کے لاابالی پن کے باعث اپنی بہت ساری شاعری کو محفوظ نہ رکھ سکے۔جتنا سرمایہ جمع ہو سکا،اس میں میرا جی کی ذاتی کوشش سے کہیں زیادہ ان کے قریبی احباب اور بعض ناقدین و محققین کی نہایت مخلصانہ کاوشوں کو دخل رہا ہے۔

■■■■■■■■■■■■■■■■

ہرمن ہیسے کے ناول ''سدھارتھ'' پر مضمون سے اقتباس

سدھارتھ کی مجموعی شخصیت کو دیکھیں تو یہ ایک ایسی مضطرب روح ہے جو علم کی بجائے دانائی کی کھوج میں ہے۔جو ترکِ دنیا کر کے بھی دنیا سے دور نہیں جا پاتی اور دنیا کے اندر اتر کر بھی اپنے اندر کے تیاگی سے نجات نہیں پا سکتی۔یہی اس کی اصل کشمکش ہے۔سدھارتھ کی روح درحقیقت ہرمن ہیسے کی روح ہے اور ہرمن ہیسے نے دانش مشرق سے استفادہ کرتے ہوئے، گوتم بدھ سے اکتساب و اختلاف کرتے ہوئے اسی کے نام کا سہارا لے کر ''سدھارتھ'' میں اپنے اندر کے اضطراب اور بے چینی کو فنکارانہ طریق سے پیش کر دیا ہے۔مجھے اس ناول کے مطالعہ نے قلبی و روحانی مسرت سے ہمکنار کیا ہے۔ ■■■■■■■■■■■■■■■■

جوگندر پال کے ناول ''پار پرے'' پر مضمون سے اقتباس

اس ناول کا ایک کمال تو یہ ہے کہ اس میں کالے پانی کے سزا یافتہ لوگوں کی جوگندر پال نے ایسی خوبصورت تصویر کھینچی ہے کہ دل ان کی محبت سے بھرنے لگتا ہے۔یہ ناول ہمارے معاشرے کی منافقتوں کو بالواسطہ طور پر بے نقاب کرتا ہے۔بے قصوروں یا معمولی قصورواروں کو بڑا مجرم بنانے کے باوجود ہمارے معاشرے سے گندگی ختم نہیں ہوتی لیکن وہی لوگ جنہیں گندہ قرار دے کر پورٹ بلیئر میں بسا دیا گیا تھا وہ وہیں اپنی جنتِ ارضی بسا لیتے ہیں۔اور پھر اس جنت ارضی میں بھی انسان کو بہکانے والے پہنچ جاتے ہیں۔۔۔

پورٹ بلیئر شہر کو اور کالے پانی کے مکینوں کی نفسیات کو جوگندر پال نے اتنی خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ان کی اس مہارت پر رشک آتا ہے۔قاری نہ صرف خود پورٹ بلیئر جا پہنچتا ہے بلکہ سچ مچ وہاں جا کر کالے پانی کے صاف دل، میٹھے لوگوں سے ملنے کی خواہش کرنے لگتا ہے۔کم از کم میرا تو بہت جی کرنے لگا ہے کہ خود کو سزا کے طور پر نہیں بلکہ جزا کے طور ایک بار کالے پانی لے جاؤں اور وہاں کے ان سارے اندر، باہر سے ٹوٹے ہوئے کرداروں سے ملوں، جو ایک دوسرے سے ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں، جنہیں جوگندر پال نے امر کر دیا ہے۔

■■■■■■■■■■■■■■■■

پانچ غزلیں

یہ واقعہ ہوا اپنے وقوع سے پہلے
کہ اختتامِ سفر تھا ، شروع سے پہلے
نہیں تھی لذتِ سجدہ، رکوع میں لیکن
اک اور کیف تھا،کیفِ خشوع سے پہلے
نصوص کو بھی کبھی دیکھ لیں گے فرصت میں
ابھی نمٹ تو لیں ''مومن'' فروع سے پہلے
معافی مانگنا پھر بعد میں خلوص کے ساتھ
گناہ کرنا خشوع و خضوع سے پہلے
اُسی کے پاس تو جانا ہے لوٹ کر آخر
سو خوب گھومئے ، پھریئے ، رجوع سے پہلے
سیاہِ شب نے تو اندھیر کر دیا تھا بہت
سو آ گیا ہوں میں وقتِ طلوع سے پہلے
یہ عید آئی ہے کس قتل گاہ میں حیدرؔ
سلام پھیر لیا ہے رکوع سے پہلے

☆☆☆

نہ جانے کیوں تمناؤں کی طغیانی میں رکھا ہے
ابھی تک دل نے خود کو عہدِ نادانی میں رکھا ہے
یہ کیسا آئنہ رُو اب کے میرے روبرو آیا
مجھے جس نے مسلسل ایک حیرانی میں رکھا ہے
کوئی خواہش ہو،اب کہتے ہی فوراً مان لیتا ہے
ستم گر نے مجھے اب بھی پریشانی میں رکھا ہے
عنایت میں بھی اک طرزِ ستم محسوس ہوتا ہے
نہ لاؤں تاب جس کی ایسی تابانی میں رکھا ہے
دکھائی شانِ فقر اپنی تمہاری بادشاہی میں
فقیری عجز اپنے عہدِ سلطانی میں رکھا ہے
ہے میری روح میرے جسم کے ہر ذرّہ میں پنہاں
تو اپنے جسم کو اک شہرِ روحانی میں رکھا ہے
دیارِ حُسن میں خیرات کی خواہش نہیں رہتی
بخیلوں نے بخیلی کو فراوانی میں رکھا ہے
بہت سی بے نیازی اور اک یادوں بھری گٹھڑی
بڑا سامان اپنی خستہ سامانی میں رکھا ہے
یہاں سے رونقیں دکھ درد کی جاتی نہیں حیدرؔ
دکھوں کا ایسا میلہ اپنی ویرانی میں رکھا ہے

☆☆☆

وہ جو ابھی تک خاک میں رُلنے والے ہیں
سُچے موتیوں میں اب تلنے والے ہیں
اپنی ذات کے دروازے تک آ پہنچے
بھید ہمارے ہم پر کھلنے والے ہیں
دودھ بدن ہے وہ تو مصری کوزہ ہم
سو اب اُس کے عشق میں گھلنے والے ہیں
واقفیت ہے اِن سے اپنی برسوں کی
دُکھ تو ہمارے ملنے جلنے والے ہیں
آنکھیں اس کی بھی ہیں اب برسات بھری
حیدرؔ مَیل دِلوں کے دُھلنے والے ہیں

☆☆☆

جو بَس میں ہے وہ کر جانا ضروری ہو گیا ہے
تری چاہت میں مَر جانا ضروری ہو گیا ہے
ہمیں تو اب کسی اگلی محبت کے سفر پر
نہیں جانا تھا' پر جانا ضروری ہو گیا ہے
ستارا جب مِرا گردش سے باہر آ رہا ہے
تو پھر دل کا ٹھہر جانا ضروری ہو گیا ہے
درختوں پر پرندے لَوٹ آنا چاہتے ہیں
خزاں رُت کا گزر جانا ضروری ہو گیا ہے
اندھیرا اِس قدر گہرا گیا ہے دل کے اندر
کوئی سورج اُبھر جانا ضروری ہو گیا ہے
بہت مشکل ہوا اندر کے ریزوں کو چھپانا
سو اب اپنا بکھر جانا ضروری ہو گیا ہے
تجھے میں اپنے ہر دُکھ سے بچانا چاہتا ہوں
ترے دل سے اُتر جانا ضروری ہو گیا ہے
نئے زخموں کا حق بنتا ہے اب اِس دل پہ حیدرؔ
پُرانے زخم بھر جانا ضروری ہو گیا ہے

☆☆☆

روشنی کا استعارہ کر لیا
دل نے ہر آنسو ستارا کر لیا
بے وفا دنیا سے کچھ تو نبھ گئی
ساتھ کیا تھا بس گزارا کر لیا
گلستاں اُس نے کیا تھا آگ کو
ہم نے شبنم کو شرارہ کر لیا
کم نہیں ہم بھی ثمود و عاد سے
کیوں لحاظ آخر ہمارا کر لیا
تیری وحدت سے سمجھ پائے تجھے
اور کثرت میں نظارہ کر لیا
کون ہے پھر اب مِرے دُکھ کا سبب
خواہشوں سے تو کنارا کر لیا
آج حیدرؔ موڈ ہی کچھ اور تھا
سو غزل میں استخارہ کر لیا

☆☆☆

اور تھے حیدرؔ جو اس کی چاہ میں مرتے رہے
ہم نے الٹے ہاتھ سے جھٹکی ہوئی ہے زندگی

☆☆☆

نظم: ''سرسوں کا کھیت''

یہ بے انت میدان
میدان میں کیاریاں
ہر کیاری میں ہریالیوں کی قطاریں
یہ پودوں کی ہریالیاں اپنی ساری نمو
پیلے پھولوں کو دے کر
انہیں اپنے سر پر سجائے ہوئے جھومتی ہیں
یہ ہریالیاں، یہ خوشی اور مسرت کے پیکر
مگر پیلے پھول ان پہ دکھ کا نشاں ہیں
خوشی اور دُکھ کے ملن کا
انوکھا سماں ہے
یہ بے انت میدان
سرسوں کے سرسبز پودوں سے
پودوں پہ پھولوں سے
غم اور خوشی سے اَٹا ہے
مرے دل کے نزدیک آؤ تو دیکھو
یہ میدان کیا ہے!

☆☆☆

نظم: ''محبت کا ایک یادگار دن''

تب زندگی مسرور تھی
آنکھوں میں صبحِ نُور تھی
اُس صبح سے دوپہر تک
بوسوں کی بہتی نہر تھی، اور زندگی کی لہر تھی
کیا زندگی کی لہر تھی جس سے جنم لیتی ہوئی
اک خوبصورت شام تھی
اس خوبصورت شام میں شمشیر بے نیام تھی
وہ شام جب ڈھلنے لگی
رنگوں بھری برسات تھی
خوابوں بھری کیا رات تھی، تعبیر جن کی ساتھ تھی
اور پھر اسی تعبیر میں، لے کر قلم تقدیر سے
سارے زمانوں سے بھرا وہ ایک دن
میرے ہی نام لکھ دیا
راہِ فنا میں عشق نے دل کو دوام لکھ دیا!

☆☆☆

متفرق ماہیے

سب صبحوں کا تاج ہوئی
رحمتِ عالمؐ کو
جس شب معراج ہوئی

☆☆☆

یوں روشن جان ہوئی
دل میں کہیں جیسے
''مغرب'' کی اذان ہوئی

☆☆☆

مہکار ہے کلیوں کی
جیسے دعا کوئی
دھرتی پہ ہوولیوں کی

☆☆☆

چڑھتے ہوئے جامن پر
داغ لگا بیٹھے
ترے پیار کا دامن پر

☆☆☆

بچپن کے خزانے میں
کتنے زمانے تھے
اُس ایک زمانے میں

☆☆☆

اک یاد تھی بستے میں
کھو گئی جانے کہاں
اِس عمر کے رستے میں

☆☆☆

کچھ دل کو ملوک کرو
ویسے چن ماہی
جو چاہے سلوک کرو

☆☆☆

دل کو شاداب کیا
تیری محبت کے
غم سے سیراب کیا

☆☆☆

پھولوں کو پرونے میں
سوئی تو چبھنی تھی
اس ہار کے ہونے میں

☆☆☆

گندم کی کٹائی پر
چھوڑ دیا گاؤں
گوری کی سگائی پر

☆☆☆

اس درد خزانے کے
چل دو نفل ہی پڑھ
رب کے شکرانے کے

☆☆☆

رائن☆ سے چناب مِلا
کوئی حقیقت تھی
یا خواب سے خواب مِلا

(☆ دریائے رائن جرمنی کا مشہور دریا ہے۔)

مضامین و مباحث
حیدر قریشی

ہمارا ادبی منظر نامہ
حیدر قریشی
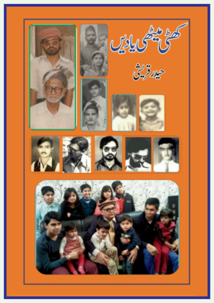
کھٹی میٹھی یادیں
حیدر قریشی

ہماری امّی
مبارکہ حیدر
مرتب
شعیب حیدر

میری محبتیں
حیدر قریشی

ماہیے کے مباحث
حیدر قریشی
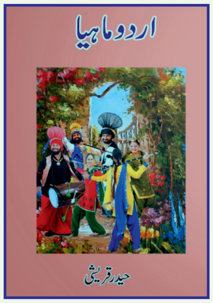
اردو ماہیا
حیدر قریشی
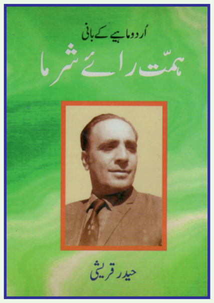
اُردو ماہیے کے بانی
ہمّت رائے شرما
حیدر قریشی
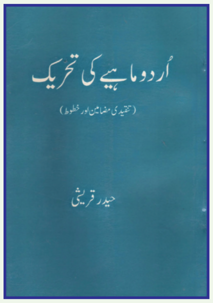
اُردو ماہیے کی تحریک
(تنقیدی مضامین اور خطوط)
حیدر قریشی

اردو میں ماہیا نگاری
(تحقیق و تنقید)
حیدر قریشی
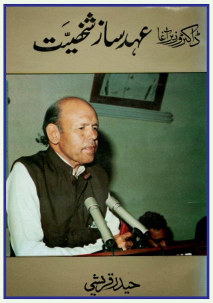
ڈاکٹر وزیر آغا
عہد ساز شخصیت
حیدر قریشی

ستیہ پال آنند کی "بُودنی نابُودنی"
حیدر قریشی
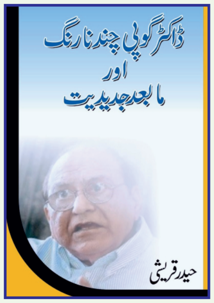
ڈاکٹر گوپی چند نارنگ
اور
مابعد جدیدیت
حیدر قریشی
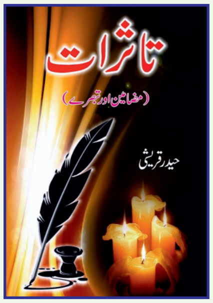
تاثرات
(مضامین اور تبصرے)
حیدر قریشی
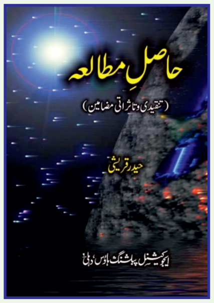
حاصلِ مطالعہ
(تنقیدی و تاثراتی مضامین)
حیدر قریشی
ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی
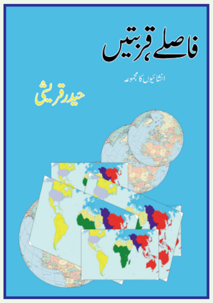
فاصلے قربتیں
انشائیوں کا مجموعہ
حیدر قریشی
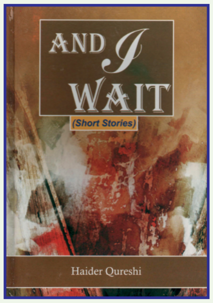
AND I WAIT
(Short Stories)
Haider Qureshi
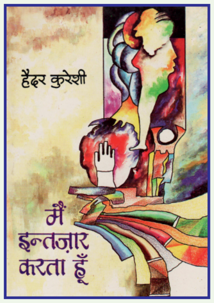
हैदर कुरेशी
मैं
इन्तज़ार
करता हूँ
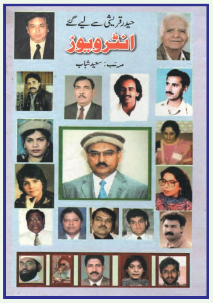
حیدر قریشی سے لیے گئے
انٹرویوز

مضامین اور تبصرے
حیدر قریشی
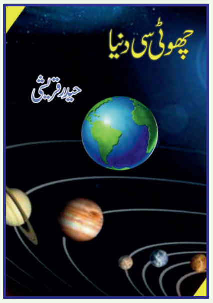
چھوٹی سی دنیا
حیدر قریشی
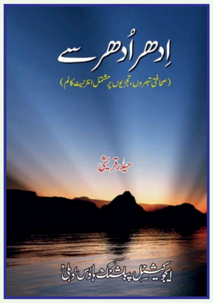
اِدھر اُدھر سے
حیدر قریشی
ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی

حالاتِ حاضرہ
حیدر قریشی
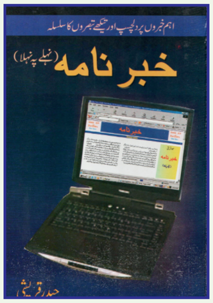
خبر نامہ
حیدر قریشی
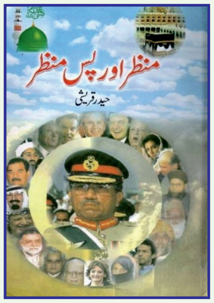
منظر اور پس منظر
حیدر قریشی

Urdu Shoiri va Yozuvchisi

HAIDER QURESHI BILAN TANISHUV

NAJIDA NAZARBAYEVA

Toshkent - Ozbekiston

حیدر قریشی کی کتب

ISBN 978-93-6062-788-1

978- 93- 6062- 788- 1

www.ephbooks.com

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE

New Delhi , INDIA